نکتہ بیانی پر لکھی گئی پہلی تحقیقی کتاب

نکتہ بیانی

مِن

آیاتِ قرآنی

محمد ہارون شاہ ہاشمی

نوریہ رضویہ پبلی کیشنز

نکتہ بیانی پر لکھی گئی پہلی تحقیقی کتاب

نکتہ بیانی من آیاتِ قرآنی

مصنّف

محمد ہارون شاہ ہاشمی

نوریہ رضویہ پبلی کیشنز

11۔ داتا گنج بخش روڈ لاہور 042-37313885, 37070663

نام کتاب	———	نکتہ بیانی من آیاتِ قرآنی
مصنف	———	محمد ہارون شاہ ہاشمی
تعداد صفحات	———	۲۸۸
بار اوّل	———	رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ اگست ۲۰۱۱ء
طابع	———	سیّد محمد شجاعت رسول قادری
مطبع	———	اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور
کمپیوٹر کوڈ	———	1N0063
قیمت	———	روپے

نوریہ رضویہ پبلی کیشنز

11- گنج بخش روڈ، لاہور

فون 37313885-37070663

Email:nooriarizvia@hotmail.com

مکتبہ نوریہ رضویہ بغدادی جامع مسجد گلبرگ اے فیصل آباد

فون: 041-2626046

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللّٰھُمَّ

صَلِّ علیٰ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ اٰلِہٖ

وَصَحْبِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلیٰ حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْکَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ

وَالْفَرِیْقَیْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمِ

نوریہ رضویہ پبلی کیشنز

انتساب

والد گرامی قدر پیر طریقت

محقق حضرت مولانا الحاج

ڈاکٹر رضا محمد شاہ ہاشمی مدظلہ العالی

اور اپنے فرزندان جمیل

طیب علی شاہ ہاشمی

طاہر حسین شاہ ہاشمی

محمد ہارون شاہ ہاشمی ترگ شریف ضلع میانوالی کے ہاشمی عباس گھرانے کی معروف علمی شخصیت جناب حضرت علامہ مولانا الحاج ڈاکٹر رضا محمد شاہ ہاشمیؒ کے فرزند ارجمند ہیں۔

ہارون شاہ صاحب کی شخصیت کو پروردگار عالم نے علم و فضل کے درہائے نایاب سے مرصع فرمایا ہے۔ ہر وہ شخص جو ان سے ملاقات کا شرف حاصل کر چکا ہے اس پر یہ بات مثل روز روشن عیاں ہو گئی ہے کہ ان کی طبیعت کی جولانیاں ہر خاص و عام کو اپنی طرف مائل کرتی ہیں علم و فضل کے لطیف و دقیق نکات کے درہائے آبداران کی ذات سے مثل ابر باراں برستے ہیں۔

ان کی تحقیق و مطالب قرآنی پر باریک بینی علمی و ادبی ذوق کی عکاسی کرتی ہے اس بندہ عاجز کو شاہ صاحب کو خطبات سننے اور علمی و ادبی مجالس میں خوشہ چینی کرنے کا بارہا موقع ملا ہر بار قلب و روح کی گہرائیوں سے یہ احساس و ادراک ہوا کہ اللہ رب العزت نے ان کو علم و آگہی میں سے حصہ عطا فرما کر ان پر خاص کرم نوازی فرمائی ہے۔

خاکپائے صاحبان نظر

پرفیسر کاشف محمود

دی بوسٹن کالج لاہور

فہرست مضامین

ہارون شاہ سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ تک

محمد ہارون شاہ بن رضا محمد شاہ بن یار محمد شاہ بن گل محمد شاہ بن غلام محمد شاہ بن بہادر شاہ بن میاں صدر شاہ بن ابراہیم شاہ بن احمد شاہ بن معروف شاہ بن سلیمان شاہ بن جلال الدین شاہ بن ثناء الدین شاہ بن فیض اللہ شاہ بن الیاس شاہ ثانی بن مبارک شاہ بن یعقوب شاہ بن قاسم شاہ بن کمال الدین شاہ بن ابراہیم شاہ بن احمد شاہ بن بہاول دین شاہ بن ابا بکر شاہ بن داؤد شاہ بن صدر الدین شاہ بن نجیب الدین شاہ بن صادق شاہ بن محمود شاہ بن علی شاہ بن عبدالعزیز شاہ بن ابومنصور قاہر باللہ بن معتضد باللہ بن طلحہ موفق بن ابواحمد بن متوکل علی اللہ بن معتصم باللہ بن ہارون الرشید بن ابوعبداللہ بن ابوجعفر بن محمود بن علی امام بن حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن حضرت عباس رضی اللہ عنہ۔

آل ابن عباس ہوں اہلبیت حبیب ہوں
ہارون الحمد للہ میں کتنا خوش نصیب ہوں

حمد باری تعالیٰ

تیرا نام جپوں میں اللہ اللہ
ہر وقت کہوں میں اللہ اللہ

عیاں مجھ پہ ہو تیری تسبیح
تیرا ذکر سنوں میں اللہ اللہ

ترے گھر کا سفر ہو مجھ کو نصیب
اس در کو تکوں میں اللہ اللہ

عاجزی ہو پہچان میری
رو رو کے کہوں میں اللہ اللہ

جس حال میں، میں ہارون رہوں
بس ورد کروں میں اللہ اللہ

نعت رسول عربیؐ

آپ سا حسیں کوئی بھی نہیں
آپ کی جبیں ہے نور کی جبیں
سن لیجئے یہ قرآن کی صدا

والضحیٰ والضحیٰ
والضحیٰ والضحیٰ

عظیم ہی تو تھے انبیاء تمام
مگر آپ ہی تو سب کے ہیں امام
قصیدہ سب نے ہے آپ کا پڑھا

والضحیٰ والضحیٰ
والضحیٰ والضحیٰ

جان اپنی ان پر جو وارتا نہیں
وہ عاقبت کبھی سنوارتا نہیں
اجل خبیب کی اس پے ہے گواہ

والضحیٰ والضحیٰ
والضحیٰ والضحیٰ

یہ قدسی سبی ان کے ہیں غلام
ان پے سبھی یہ پڑھتے ہیں سلام
کس قدر عظیم ہے ان کی بارگاہ

والضحیٰ والضحیٰ
والضحیٰ والضحیٰ

کرے ہارون کیا ان کی بات
ان کی لکھے کیسے کوئی نعت
خدا نے خود جن سے ہے یہ کہا

والضحیٰ والضحیٰ
والضحیٰ والضحیٰ

قرآن پڑھ کے دیکھو

دل کو ملتا ہے کیا سرور قرآن پڑھ کے دیکھو
شیطان ہوتا ہے کیسے دور قرآن پڑھ کے دیکھو

اپنے گھر میں اندھیروں کی شکایت کرنے والو
ہو جائے گا نورِ قرآن پڑھ کے دیکھو

ایک علاج ہے مصیبت میں آنے والو
ہوگی ہر مشکل عبور، قرآن پڑھ کے دیکھو

اگر ان کو منالینے کی آرزو ہے ہارون
راضی ہو جائیں گے حضورؐ قرآن پڑھ کے دیکھو
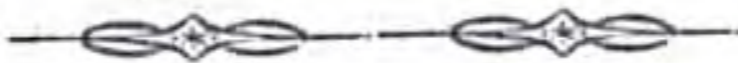
نکتہ بیانی

مرا شعار ہے نکتہ بیانی
لذت گفتار ہے نکتہ بیانی

وجود تقریر میں علوم کا
حسیں اظہار ہے نکتہ بیانی

سمجھ میں آتی ہے باتیں دقیق
تخیل کا نکھار ہے نکتہ بیانی

یہ دولت فقط خدا کی دین ہے.
خزانہ بے شمار ہے نکتہ بیانی

تو ہے شاگردِ رشید طاہرؔ، ہاروؔن
تجھے سزاوار ہے نکتہ بیانی

مصنف کا تعارف

محمد ہارون شاہ کے ساتھ مجھے تقریباً تین سال کا عرصہ گزارنے کا اتفاق ہوا۔ جب میں ایل ایل بی (law) کی تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ میں نے انہیں کیسا پایا' وہ بطور ایک دوست کے قلم بند کر رہا ہوں۔

محمد ہارون شاہ ہاشمی ۱۰ جنوری ۱۹۷۴ء میں میانوالی کے ہاشمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کو ایک معروف مذہبی سکالر ڈاکٹر علامہ رضا محمد شاہ ہاشمی کے فرزند ہونے کا شرف اللہ تعالیٰ نے عطا کیا۔ آپ نے ابتدائی تعلیم میانوالی سے حاصل کی۔ پانچویں اور آٹھویں کلاس میں وظیفے کا امتحان پاس کیا۔ میٹرک کا امتحان اعلیٰ نمبروں میں سنٹرل ماڈل سکول میانوالی سے پاس کیا۔ اس کے بعد قسمت ان پر سایہ فگن ہوئی اور اپنی دینی و دنیاوی تعلیم کے لیے منہاج القرآن اسلامک یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ داخلہ ٹیسٹ میں بھی پہلی پوزیشن حاصل کی۔ آپ نے ۱۹۹۹ء میں سند فراغت اعلیٰ نمبروں کے ساتھ حاصل کیا اور پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے ہاتھوں میڈل حاصل کیا۔ ۲۰۰۳ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے اسلامیات کا امتحان پاس کیا۔

محمد ہارون شاہ ہاشمی بیک وقت شاعر' خوبصورت خطیب' بہترین نقیب اور اچھے مدارس ہیں۔ سب سے پہلی کتاب ۱۹۹۱ء میں لکھی جب آپ میٹرک کے طالبعلم تھے۔ ۱۹۹۵ء میں رہنمائے مقرر ۱۹۹۷ء زر نقابت قلمبند کی جب آپ منہاج یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا اور گفتار

کی کرنیں، اصول خطابت جام رحیق عشق اور اب نکتہ بیانی من آیاتِ قرآنی تحریر کی۔ محمد ہارون شاہ ہاشمی کی تقریر وتحریر میں نکتہ بیانی کا رنگ بہت نمایاں نظر آتا ہے۔ اس کی ایک وجہ تو ان کی حضرت عبداللہ بن عباس سے نسبت ہے۔ چنانچہ وہ خود کہتے ہیں۔

مجھ میں کمال فن کوئی، خدا کی قسم نہیں ہے
فرزند ابن عباس ہوں فیض میرا کم نہیں ہے

اور دوسری وجہ ڈاکٹر طاہر القادری صاحب کے ساتھ منسلک ہونا ہے چنانچہ اس کی بابت وہ کہتے ہیں۔

میرے انداز بیاں سے کیوں جھومے نہ جہاں
میں بھی شاگرد ہوں آخر سخن کے بادشاہ کا
تو ہے شاگرد رشید طاہر، ہارون
تجھے سزاوار ہے نکتہ بیانی

شاہ صاحب میں ذوق شاعری علامہ اقبال کی بدولت پیدا ہوا۔ وہ اپنی شاعری کو کلام اقبال کا فیض سمجھتے ہیں جیسا کہ اپنی شاعری کے بارے میں کہا۔

شمشیر کی تاثیر ہے پنہاں میری مے میں
الفاظ میرے ہیں پر اقبال کی لے میں

اس کے ساتھ اقبال جیسے عظیم سامنے اپنی حیثیت کو یوں بیان کرتے ہیں۔

تو داماں سخن ہے یہ میرے ہات کچھ بھی نہیں
اقبال تیرے آگے میری اوقات کچھ بھی نہیں

شاہ صاحب قرآن کی انقلابی فکر کے داعی و حامل ہیں اور اسی فکر کو عام کرنا چاہتے ہیں اور یہ ایک مثالی کام ہے جو تا ابد رہتا ہے اس کا حوالہ انہوں نے خود دیا ہے۔

کیوں یاد نہ رکھے گا مجھے گزرتا ہوا زمانہ
انداز مرا ہے سب سے جدا افکار ہے یگانہ

....

حالات سمٹ کر مرے افکار میں ہیں
ڈھونڈے گا زمانہ میرے سوچ کے اسباب

میرے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ شاہ صاحب کو صحت و عافیت کے ساتھ ترقیاں عطا فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین

محبوب حسین چوہدری
ایڈووکیٹ
ہائی کورٹ لاہور

مقدمۃ الکتاب

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ اَمَّا بَعْدُ!

معزز قارئین قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری اور معجزہ نما کتاب ہے۔قرآن مجید نور ہدایت کا بحر بیکراں ہے اور ہر خشک وتر اس میں موجود ہے۔

قرآن مجید کے بحر بیکراں میں جو بھی غوطہ زن ہوا اس نے اپنی فہم وادراک اور علمی قابلیت کے موافق علمی جواہر نکال لائے۔

قرآن مجید مختصر اور جامع بیان میں اپنی مثال آپ ہے مجھ ناچیز کی علمی قابلیت تو اتنی ہے نہیں کہ قرآن کے علمی انوار وتحلیات کو ظہور میں لاؤں تاہم نصرات ربانی نے جس قدر میرا ساتھ دیا اسی قدر میں نے علمی نکات اخذ کرنے کی کوشش کی ہے آپ سے التماس ہے کہ میرے علم وعمل میں برکت کی دعا کریں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن مجید سے قلبی لگاؤ اور اس سے علمی خیرات حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے

آمین بجاہ سید المرسلین

ایک ناچیز
محمد ہارون شاہ ہاشمی
0333-4239057

فروری 2011

قرآن مجید کے فضائل

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا○ (بنی اسرائیل)

آپ ﷺ فرمادیں کہ اگر تمام انسان اور جنات اس بات پر جمع ہو جائیں کہ اس طرح اور قرآن لے آئیں تو وہ اس کی مثال نہ لاسکیں گے خواہ وہ سب ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں۔

کلام الٰہی کی مثال ممکن نہیں
کسی اور سے یہ کمال ممکن نہیں

(۲) اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ○ (الحجر)

بے شک اس قرآن کو ہم نے اتارا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

حٰمٓ○ تَنْزِیْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰیٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لِّقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ○ (حٰمٓ سجدہ)

حم یہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ کلام ہے جو نہایت رحم کرنے والا اور بہت رحیم ہے یہ کتاب جس کی آیات وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہیں عربی قران جاننے والوں کے لئے۔

ہر چیز کی ہے توضیح قران مجید میں
انداز بھی ہے کیسا فصیح قران مجید میں

قرآن کی فضیلت احادیث کی روشنی میں

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قِرَائَةُ الْقُرْاٰنِ فِی الصَّلٰوةِ وَ قِرَاءَةُ الْقُرْاٰنِ فِیْ غَیْرِ الصَّلٰوةِ اَفْضَلُ مِنَ التَّسْبِیْحِ وَالتَّکْبِیْرِ وَالتَّسْبِیْحُ اَفْضَلُ مِنَ الصَّدَقَةِ وَالصَّدَقَةُ اَفْضَلُ مِنَ الصَّوْمِ وَالصَّوْمُ جُنَّةٌ مِّنَ النَّار

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ نماز میں قرآن شریف کی تلاوت بغیر نماز کی تلاوت سے افضل ہے اور بغیر نماز کی تلاوت تسبیح و تکبیر سے افضل ہے اور تسبیح صدقہ سے افضل ہے اور صدقہ روزہ سے افضل ہے اور روزہ بچاؤ ہے آگ سے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِیْ بَیْتٍ مِّنْ بُیُوْتِ اللّٰهِ یَتْلُوْنَ کِتَابَ اللّٰهِ وَ یَتَدَارَسُوْنَهٗ بَیْنَهُمْ اِلَّا نَزَلَتْ عَلَیْهِمُ السَّکِیْنَةُ وَ غَشِیَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَ حَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِکَةُ وَ ذَکَرَهُمُ اللّٰهُ فِیْمَنْ عِنْدَهٗ۔

(رواہ مسلم وابوداؤد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ کوئی قوم اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں مجتمع ہو کر تلاوت کلام پاک اور اس کا دور نہیں کرتی مگر ان پر سکینہ نازل ہوتی ہے اور رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے۔ ملائکہ رحمت ان کو گھیر لیتے ہیں اور حق تعالیٰ شانہٗ ان کا ذکر ملائکہ کی

مجلس میں فرماتا ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الَّذِیْ لَيْسَ فِیْ جَوْفِهٖ شَیْءٌ مِّنَ الْقُرْاٰنِ كَالْبَيْتِ الْخَرِبِ۔

(رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث صحیح ورواہ الدارمی والحاکم وصححہ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جس شخص کے قلب میں قرآن شریف کا کوئی حصہ بھی محفوظ نہیں وہ بمنزلہ ویران گھر کے ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَلَّمُوْا الْقُرْاٰنَ فَاقْرَأُوْهُ فَاِنَّ مَثَلَ الْقُرْاٰنِ لِمَنْ تَعَلَّمَ فَقَرَأَ وَ قَامَ بِهٖ كَمَثَلِ جِرَابٍ مَحْشُوٍّ مِسْكًا تَفُوْحُ رِيْحُهٗ كُلَّ مَكَانٍ وَ مَثَلُ مَنْ تَعَلَّمَهٗ فَرَقَدَ وَ هُوَ فِیْ جَوْفِهٖ كَمَثَلِ جِرَابٍ اُوْكِيَ عَلٰى مِسْكٍ۔

(رواہ الترمذی والنسائی وابن ماجۃ وابن حبان)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ قرآن شریف کو سیکھو، پھر اس کو پڑھو، اس لئے کہ جو شخص قرآن شریف سیکھتا ہے اور پڑھتا ہے اور تہجد میں اس کو پڑھتا رہتا ہے اس کی مثال اس تھیلی کی سی ہے جو مشک سے بھری ہوئی ہو کہ اس کی خوشبو تمام مکان میں پھیلتی ہے اور جس شخص نے سیکھا اور پھر سو گیا اس کی مثال اس مشک کی تھیلی کی سی ہے جس کا منہ بند کر دیا گیا ہو۔

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلٰثٌ تَحْتَ الْعَرْشِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَلْقُرْاٰنُ يُحَاجُّ الْعِبَادَ لَهٗ ظَهْرٌ

وَّ بَطْنٌ وَّ الْاَمَانَةُ وَالرَّحِمُ تُنَادِیْ اَلَا مَنْ وَّ صَلَنِیْ وَ صَلَهُ اللّٰهُ وَ مَنْ قَطَعَنِیْ قَطَعَهُ اللّٰهُ۔ (رواہ فی شرح السنۃ)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف حضور اقدس ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ تین چیزیں قیامت کے دن عرش کے نیچے ہونگی ایک کلام پاک کہ جھگڑے گا بندوں سے، قرآن پاک کیلئے ظاہر ہے اور باطن، دوسری چیز امانت ہے۔ اور تیسری رشتہ داری جو پکارے گی کہ جس شخص نے مجھ کو جوڑا اللہ اس کو اپنی رحمت سے ملا دے اور جس نے مجھ کو توڑا، اللہ اپنی رحمت سے اس کو جدا کر دے۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْاٰنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ وَالَّذِیْ یَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ وَ یَتَتَعْتَعُ فِیْهِ وَهُوَ عَلَیْهِ شَاقٌّ لَهٗ اَجْرَانِ۔

(رواہ البخاری ومسلم وابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجۃ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ قرآن کا ماہر ان ملائکہ کے ساتھ ہے جو میر منشی ہیں (مقرب ترین) اور نیک کار ہیں اور جو شخص قرآن شریف کو اٹکتا ہوا پڑھتا ہے اور اس میں دقت اٹھاتا ہے اس کو دوہرا اجر ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا حَسَدَ اِلَّا عَلٰی اِثْنَیْنِ رَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ الْقُرْاٰنَ فَهُوَ یَقُوْمُ بِهٖ اٰنَآءَ اللَّیْلِ وَ اٰنَآءَ النَّهَارِ وَرَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَهُوَ یُنْفِقُ مِنْهُ اٰنَآءَ اللَّیْلِ وَ اٰنَآءَ النَّهَارِ۔

(رواہ البخاری والترمذی والنسائی)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ حسد دو

شخصوں کے سوا کسی پر جائز نہیں۔ ایک وہ جس کو حق تعالیٰ شانہٗ نے قرآن شریف کی تلاوت عطا فرمائی اور وہ دن رات اس میں مشغول رہتا ہے دوسرے وہ جس کو حق سبحانہٗ نے مال کی کثرت عطا فرمائی اور وہ دن رات اس کو خرچ کرتا ہے۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰی مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْاٰنُ عَنْ ذِكْرِیْ وَ مَسْئَلَتِیْ اَعْطَیْتُهٗ اَفْضَلَ مَا اُعْطِیَ السَّائِلِیْنَ وَ فَضْلُ كَلَامِ اللّٰهِ عَلٰی سَائِرِ الْكَلَامِ كَفَضْلِ اللّٰهِ عَلٰی خَلْقِهٖ۔ (رواہ الترمذی والدارمی والبیھقی فی الشعب)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے کہ حق سبحانہ و تقدس کا یہ فرمان ہے کہ جس شخص کو قرآن شریف کی مشغولی کی وجہ سے ذکر کرنے اور دعائیں مانگنے کی فرصت نہیں ملتی میں اس کو سب دعائیں مانگنے والوں سے زیادہ عطا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ شانہٗ کے کلام کو سب کلاموں پر ایسی ہی فضیلت ہے جیسی کہ خود حق تعالیٰ شانہٗ کو تمام مخلوق پر۔

عَنْ مُعَاذِنِ الْجُهَنِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ وَ عَمِلَ بِمَا فِیْهِ اُلْبِسَ وَالِدَاهُ تَاجًا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ضَوْئُهٗ اَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِیْ بُیُوْتِ الدُّنْیَا لَوْ كَانَتْ فِیْكُمْ فَمَا ظَنُّكُمْ بِالَّذِیْ عَمِلَ بِهٰذَا۔ (رواہ احمد وابوداؤد وصححہ الحاکم)

حضرت معاذ جہنی رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص قرآن پڑھے اور اس پر عمل کرے اس کے والدین کو قیامت کے دن ایک تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی آفتاب کی روشنی سے بھی زیادہ ہوگی، اگر وہ آفتاب تمہارے گھروں میں ہو۔ پس کیا گمان ہے تمہارا اس شخص کے متعلق جو خود عامل ہے۔

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَوْصِنِیْ قَالَ عَلَیْكَ بِتَقْوَی اللّٰہِ فَاِنَّہٗ رَأْسُ الْاَمْرِ کُلِّہٖ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ زِدْنِیْ قَالَ عَلَیْكَ بِتِلَاوَۃِ الْقُرْاٰنِ فَاِنَّہٗ نُوْرٌ لَّكَ فِی الْاَرْضِ وَ ذُخْرٌ لَّكَ فِی السَّمَاءِ۔ (رواہ ابن حبان فی صحیحہ فی حدیث طویل)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ مجھے کچھ وصیت فرمائیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا، تقویٰ کا اہتمام کرو کیونکہ یہ تمام امور کی جڑ ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اس کے ساتھ کچھ اور بھی ارشاد فرمادیں تو حضور نے فرمایا کہ تلاوت قرآن کا اہتمام کرو کہ دنیا میں یہ نور ہے اور آخرت میں ذخیرہ۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اِذَا رَجَعَ اِلٰی اَھْلِہٖ اَنْ یَّجِدَ فِیْہِ ثَلَاثَ خَلِفَاتٍ عِظَامٍ سِمَانٍ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ فَثَلَاثُ اٰیَاتٍ یَقْرَأُ بِھِنَّ اَحَدُکُمْ فِیْ صَلَاتِہٖ خَیْرٌ لَّہٗ مِنْ ثَلَاثِ خَلِفَاتٍ عِظَامٍ سِمَانٍ۔

(رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ جب گھر واپس آئے تو تین اونٹنیاں حاملہ بڑی اور موٹی اس کو مل جائیں۔ ہم نے عرض کیا کہ بیشک (ضرور پسند کرتے ہیں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین آیتیں جن کو تم میں سے کوئی نماز میں پڑھ لے۔ وہ تین حاملہ اور موٹی اونٹنیوں سے افضل ہیں۔

عَنْ عُقْبَۃَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ نَحْنُ فِی الصُّفَّۃِ فَقَالَ اَیُّکُمْ یُحِبُّ اَنْ یَّغْدُوَ کُلَّ یَوْمٍ اِلٰی بُطْحَانَ اَوِ الْعَقِیْقِ فَیَاْتِیْ بِنَاقَتَیْنِ کَوْمَاوَیْنِ فِیْ غَیْرِ اِثْمٍ وَّلَا

قَطِیْعَةِ رَحِمٍ فَقُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ کُلُّنَا نُحِبُّ ذٰلِكَ قَالَ اَفَلَا یَغْدُ وَ اَحَدُکُمْ اِلَی الْمَسْجِدِ فَیُعَلِّمُ اَوْ یَقْرَأُ اٰیَتَیْنِ مِنْ کِتَابِ اللّٰهِ خَیْرٌ لَّهٗ مِنْ نَاقَتَیْنِ وَثَلٰثٌ خَیْرٌ لَّهٗ مِنْ ثَلٰثٍ وَّ اَرْبَعٌ خَیْرٌ لَّهٗ مِنْ اَرْبَعَ وَمِنْ اَعْدَادِ هِنَّ مِنَ الْاِبِلِ۔ (رواہ مسلم وابوداؤد)

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ ہم لوگ صفہ میں بیٹھے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کون شخص اس کو پسند کرتا ہے کہ علی الصبح بازار بطحان یا عقیق میں جائے اور دو اونٹنیاں عمدہ سے عمدہ بلا کسی قسم کے گناہ اور قطع رحمی کے پکڑ لائے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ اس کو تو ہم میں سے ہر شخص پسند کرے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجد میں جا کر دو آیتوں کا پڑھنا یا پڑھا دینا دو اونٹنیوں سے اور تین آیات کا تین اونٹنیوں سے اسی طرح چار کا چار سے افضل ہے اور ان کے برابر اونٹوں سے افضل ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرْاٰنِ اِقْرَأْ وَارْتَقِ وَرَتِّلْ کَمَا کُنْتَ تُرَتِّلُ فِی الدُّنْیَا فَاِنَّ مَنْزِلَكَ عِنْدَ اٰخِرِ اٰیَةٍ تَقْرَأُهَا۔

(رواہ احمد والترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجہ وابن حبان فی صحیحہ)

حمد کا حقدار

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ○ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ○ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ○ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ○

آیت کے حوالہ جات

سورت کا نام	الفاتحہ
سورت کا نمبر	1
آیات نمبر	1 تا 7

آیات کا ترجمہ

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے' نہایت ہی مہربان اور رحم کرنے والا بدلے کے دن کا مالک ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں' ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا نہ کہ ان لوگوں کا جو مغضوب ہوئے اور نہ ہی ان کا جو گمراہ ہیں۔

نکتہ بیانی

اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو سارے عالمین کا پروردگار ہے۔

حمد کے ساتھ لفظ رب کا استعمال بڑا ہی معنی خیز اور جامع و مناسب واقع ہوا ہے کیونکہ یقیناً پرورش کی صلاحیت رکھنے والا قابل تعریف ہی تو ہوتا ہے۔ بلاشبہ اشیاء کی

تخلیق بھی کمال ہے لیکن ان کی نشوونما کا اہتمام اور انہیں منزل تک پہنچانا اور اس کے لئے اسباب کا مہیا کرنا اور بڑا کمال ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ دے اس کی تعریف لبوں پر افشا ہو جاتی ہے اور پھر وہ ذات جو ہمہ وقت مخلوق کو رزق عطا کر رہا ہے اور اس کے اسباب مہیا فرما رہا ہے وہ آخر کیونکر قابل حمد نہیں ہوگا؟

قانون یہ ہے کہ جس میں جس قدر زیادہ خوبیاں ہوں گی وہ اسی قدر زیادہ قابل تعریف ہوگا اور خوبیاں ہی ممدوح کو قابل حمد اور حامد کو قابل حامد بناتی ہیں۔ مثال کے طور پر اگر کسی میں تین خوبیاں ہیں تو وہ تین تعریفوں کا حقدار ہے۔

3=3

اور اگر جس میں خوبیاں کم ہوں اور اس کی تعریف زیادہ کی جائے تو اسے مبالغہ آرائی کہا جائے گا جو انکشاف حقیقت نہیں۔ مثال کے طور پر کسی میں 5 خوبیاں ہیں اور اس کی 10 تعریفیں کی جاتی ہیں تو یہ مبالغہ آرائی ہوگی اور یہ تعریف کرنا غلط متصور ہوگا یعنی

5=10x (مبالغہ آرائی)

اور اگر کسی میں خوبیاں زیادہ ہوں اور تعریف کم کی جائے تو یہ بخیلی ہوگی یعنی

10=5x (بخیلی)

اللہ رب العزت کی خوبیاں اور تعریفیں زائد از شمار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بندہ اس اعتقاد کو واضح کرتا ہے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں اور کوئی بھی اس کی تعریف کا حق ادا نہیں کرسکتا کیونکہ اگر ہر نعمت پر اس کی تعریف کی جائے تو یہ ناممکن ہے کہ حق ادا ہو سکے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں دائرہ شمار سے باہر ہیں چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا

''اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کرسکتے''۔

لہٰذا بندے کے لئے یہی مناسب تھا کہ وہ اس بات کا اعتراف کرے کہ تمام تعریفوں کا حقدار اللہ ہے۔

یہ حقیقت بھی عیاں ہونی چاہئے کہ ہر تعریف وتوصیف کا مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور مخلوق میں سے بھی کسی کی تعریف حقیقت میں اللہ ہی کی تعریف ہے کیونکہ اس مخلوق میں خوبیاں رکھنے والا اللہ ہی تو ہے۔

ع لب پہ آتی ہے جب تعریف کسی کی
مدعا تو ہی ہوتا ہے کہ تو خدا ہے

اس لئے فصیح و بلیغ جملہ یہی ہے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں کیونکہ یہ اعلان اس لئے بھی کرنا پڑتا ہے کہ بندے سے اس ذات کی ثناء کا حق ادا کرنا ممکن نہیں۔

ع مجھ سے ناچار سے تیری ثناء کیا ممکن
کروں بندگی کا حق ادا کیا ممکن

ایک اہم سوال جو ذہن میں پرورش پاتا ہے وہ یہ ہے کہ نافرمان و ناشکر کو تو اسباب پرورش نہیں دینے چاہئیں یہ تو صرف اس کو ملنا حق ہیں جو طاعت کا خوگر ہو لیکن اللہ تعالیٰ تو وہ پروردگار ہیں جو سب کو رزق عطا کرتے ہیں۔ بھلا ایسا کیوں ہے؟ جو اپنے کردار و افعال و اعمال کے لحاظ سے قابل عتاب ہیں۔ انہیں رزق کی ہم رسانی کیونکر؟ تو اس کا جواب دوسری آیت میں دے دیا گیا ہے کہ وہ ذات مخلوق پر اس قدر مہربان اس لئے ہے کہ وہ نہایت ہی شفیق اور رحم کرنے والی ذات ہے اس لئے وہ سب کے لئے رزق رساں ہے اس لئے بھی کہ اس کی رحمت ہر چیز سے وسیع ہے۔

تیسری آیت میں واضح کیا گیا کہ بدلے کے دن کا مالک بھی وہی ہے یعنی تم یہ مت سمجھو کہ ہماری نعمتوں پر شکر گزار اور ناشکرے ایک جیسے ہیں بلکہ بدلے کے دن یہ فرق واضح ہو جائے گا اور مجرمین کو الگ کر دیا جائے گا۔ بدلے کے دن کا تعین بھی قابل تعریف عمل ہے اس لئے کہ پیشہ طاعت رکھنے والوں کو انعام و اکرام سے نوازنا یہ

انصاف کا تقاضا ہے۔

جو بھی آیت میں اس بات کو عیاں کیا گیا ہے کہ تم اس کی عبادت کرو اور اپنے اس فعل میں بالخصوص اسی کی مدد کے خواہست گار بنو اور یہ اعتقاد قائم کرو کہ اس کے فضل و کرم کے بنا تم نعمت طاعت کی توفیق نہیں پا سکتے سوا پنے اعمال صالح اور ذوق عبادت کو اپنے آپ کا کمال مت سمجھو بلکہ اس عمل کو اللہ تعالیٰ کے فعل سے منسوب کرو کیونکہ ایسا کرنا بھی بندگی کا حصہ ہے۔

ع تیری توفیق سے حاصل ہے اعمال کی زینت
میرا ہر حسن عمل اے اللہ ہے تیری عنایت
ع توفیق دے نہ اگر تو کچھ ہو نہیں سکتا
سجدے قیام اور رکوع کچھ ہو نہیں سکتا

پانچویں آیت میں بندے کو اس بات کا متمنی بنایا گیا ہے کہ وہ جب بارگاہ پروردگار میں کھڑا مصروف عبادت ہو تو اس کی بارگاہ سے صراط مستقیم کی طلب کرے۔ کیا اچھا طرز عمل ہے کہ بندہ پہلے اس حد وصمد کی تعریف توصیف سے زبان کو تر کرتا ہے اور اس کے بعد سیدھے راستے کا سوال کرتا ہے۔

سیدھے راستے پر چلنا ہی بندے کا کمال ہے اس لئے وہ کسی بھی اور نعمت سے قبل ذات الہیہ سے صراط مستقیم کا طلبگار بنتا ہے۔

اس آیت کریمہ سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے میسر آتی ہے نہ کہ انسان کی اپنی کوشش کے عمل دخل سے۔

ایک تو یہ ہے کہ کبھی کبھار سیدھے راستے پر چلا جائے اور دوسرے یہ ہے کہ تسلسل کے ساتھ سیدھے راستے پر چلا جائے اور بندگی یہی ہے کہ صراط مستقیم پر چلنے میں دوام حاصل کیا جائے۔

ع رکھا کوئے جاناں سے تسلسل
میں نے کبھی وقفہ نہ کیا

صراط مستقیم پر کار بند رہنے میں بے شمار فوائد ہیں۔

(i) بندے کا اپنے رب کے ساتھ رابطہ قائم رہتا ہے۔

(ii) بندے میں خوئے بندگی جلا پاتی ہے۔

(iii) بندہ عاجزی وانکساری کا پیکر بنتا ہے۔

(iv) بندے میں اپنے رب کے لئے جذبہ اطاعت پیدا ہوتا ہے۔

(v) دل میں محبت الٰہی جگہ پاتی ہے جو عین ایمان ہے۔

(vi) بندے میں تصور آخرت مضبوطی پکڑتا ہے۔

(vii) بندہ نیکی اور بھلائی کی طرف مائل ہوتا ہے۔

(viii) بندہ شیطان مردود کے حملوں سے حفاظت میں آجاتا ہے۔

(ix) عنداللہ بندے کا درجہ اور مقام بلند ہوتا جاتا ہے۔

(x) بندے میں توکل جیسی نعمت نمو پاتی ہے۔

؎ تادم مرگ رہے تیری اطاعت
بندگی میری یوں پائے دوام

اسی تصور کو قرآن مجید نے واضح کیا ہے کہ اپنے رب کی اطاعت کر یہاں تک کہ تجھے موت آجائے یعنی مرتے دم تک اللہ کی اطاعت کو قائم رکھا جائے اور قرآن نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ ''اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور نہ مرو تم مگر حالت ایمان میں''۔

؎ طاعت میں تیری آجائے اجل مجھ کو
عطا کردے خدایا ایمان مکمل مجھ کو

ایک سوال یہ ہے کہ صراط مستقیم کی پہچان کیسے ہو اور اس کے تقاضوں سے شناسائی کس طرح ہو اس معمہ کو بھی اگلی آیت میں حل کر دیا گیا ہے اور بتا دیا گیا ہے کہ ان لوگوں کا راستہ طلب کرو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام یافتہ ہیں اور وہ چار طبقات درج ذیل ہیں جن کا دوسرے مقام پر تذکرہ کیا گیا ہے۔

اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيۡقِيۡنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيۡنَ ۚ

۱-انبیاء ۲-صدیقین ۳-شہداء ۴-صالحین

یہاں یہ امر قابل التفات ہے کہ بندگی کے چار درجات ہیں۔

(۱) تسلسل کے ساتھ تعلق باللہ

(۲) جس صداقت کی گواہی دی اس صداقت پر عملاً اور قولاً دونوں طرق سے کار بند رہنا۔

(۳) محبت الٰہی میں اس مقام تک پہنچنا کہ اپنی جان اس کی خاطر قربان کرنے کے جذبے سے سرشار ہونا۔

(۴) نیکی اور تقوے واعمال صالحہ کو اپنا شعار بنانا

نیکی کے دو درجے ہیں۔

(i) نیک اعمال کرنا

(ii) برے اعمال وافعال سے اجتناب کرنا

یہی وجہ ہے کہ سورہ فاتحہ میں بندہ ان لوگوں کے راستے سے چلنے پر رب سے دعا کرتا ہے کہ اے اللہ مجھے ان لوگوں کے راستے پر چلنے سے محفوظ رکھ جو گمراہ ہیں اور جن پر تیرا غضب ہوا ہے۔

اور یہ دو طرح کے لوگ ہیں۔

(i) جن پر ان کے قبیح اعمال کی بدولت رب کا عتاب ہوا۔

(ii) وہ لوگ جنہوں نے حق سے روگردانی کی اور خدا کے متعین کردہ راستے سے ہٹ گئے۔

؎ میرے اللہ برائی سے بچانا مجھ کو
نیک جو راہ ہو اس راہ پہ چلانا مجھ کو

دعائے خلیل علیہ السلام

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

آیت کے حوالہ جات

سورت کا نام	البقرۃ
سورت کا نمبر	۲
آیات نمبر	۱۲۷تا۱۳۰

آیات کا ترجمہ

اور (یاد کرو) جب ابراہیم اور اسماعیل خانہ کعبہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے کہ اے ہمارے رب تو ہم سے قبول فرمالے۔ بے شک تو خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔
اے ہمارے رب ہمیں اپنے حکم کے سامنے جھکنے والا بنا اور ہماری اولاد سے بھی ایک امت کو اپنا تابع فرمان بنا اور ہمیں ہماری عبادت کے قواعد بتادے اور ہم پر مغفرت کی نظر فرما۔ بے شک تو ہی بہت توبہ قبول فرمانے والا مہربان ہے۔ اے ہمارے رب ان

میں انہی میں سے رسول مبعوث فرما جو ان پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے اور انہیں کتاب وحکمت دے، تعلیم دے اور ان کو خوب پاک صاف کر دے۔ بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔

اور کون ہے جو ابراہیم کے طریقے سے منہ پھیرے مگر سوائے اس کے جس نے خود کو حماقت میں مبتلا کر رکھا ہے اور بے شک ہم نے انہیں ضرور دنیا میں منتخب فرمایا اور یقینی طور پر وہ آخرت میں بلند مرتبہ مقربین میں ہوں گے۔

نکتہ بیانی

(۱) کعبۃ اللہ کی بنیادیں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل دونوں نے رکھیں اور کوئی تیسرا اس عمل میں شریک نہیں تھا۔ دو حضرات کا اتنا بڑا گھر تعمیر کرنا ان کے رب سے قلبی لگاؤ کی واضح تصویر ہے۔

(۲) انسان کو چاہئے کہ جب وہ نیک عمل کرے تو اللہ تعالیٰ سے اس عمل کی قبولیت کی دعا کرے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر نیک عمل کے بعد اس عمل کی قبولیت کے لئے رب سے دعا کرنا انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ نماز پنجگانہ اور نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا سنت انبیاء علیہم السلام ٹھہرا کیونکہ یہ بھی نیک اعمال ہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا و آہ و زاری اس لئے کی جاتی ہے کہ وہ اس آہ و زاری کا علم بھی رکھتا ہے کہ اس میں کتنی خشوع اور اخلاص شامل ہے نیز وہی سنتا بھی ہے۔

(۴) حضرت ابراہیم علیہ السلام و اسماعیل علیہ السلام نے بارگاہ رب العزت میں یہ عرض کی کہ انہیں اپنے حکم کے آگے سر تسلیم خم کرنے کی توفیق دے اور ان کی اولاد میں بھی ایسے لوگ پیدا کرے جو اس پروردگار کے اطاعت گزار ہوں۔ معلوم ہوا کہ نیکی کی توفیق اللہ ہی کی جانب سے ہے اور نیک اولاد کا عطا ہونا بھی اس کے فضل سے ہے۔

(۵) عبادت کیا ہے اس کا انداز اور طریقہ کیا ہے یہ بھی من جانب اللہ عطا ہوتا ہے جیسا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے نماز کا طریقہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچایا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے صحابہ سے فرمایا کہ ایسے نماز پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔

آیت نمبر ۱۲۷ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ سے جہاں آداب عبادت کا سائل بنے وہاں اس کی بارگاہ سے اپنی خطاؤں کی معافی کا بھی خواستگار ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ وہی توبہ قبول کرنے والا اور بہت مہربان ہے لہٰذا بندگی کا تقاضا ہے کہ اس کی طرف رجوع کیا جائے۔

آیت نمبر ۱۲۸ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ اے اللہ! ان لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیج جو ان پر تیری آیات تلاوت کرے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور انہیں پاک و صاف کر دے۔ لفظ ربنا سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ دعا جناب ابراہیم علیہ السلام اور جناب اسماعیل علیہ السلام دونوں نے مل کر کی لیکن حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں اپنے دادا ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا مصداق ہوں۔ حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دعا صرف ابراہیم علیہ السلام نے مانگی۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی ہو اور امین حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہی ہو اس طرح دونوں دعا میں شامل ہوئے۔

اگر دعا صرف ابراہیم علیہ السلام نے مانگی تو پھر ربنا یعنی جمع متکلم کے ساتھ کیوں مانگی حالانکہ انہوں نے جب اللہ کی بارگاہ سے بیٹا مانگا تو یوں دعا کی۔

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ

''اے میرے رب مجھے نیک بیٹا عطا کر''

یعنی ربنا کی بجائے رب کہا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مانگا تو ربنا کہا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اسماعیل کو فقط اپنے لئے مانگا جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساری کائنات کے لئے مانگا۔

دوسرے قابل توجہ امر یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مانگا تو وابعث کا لفظ استعمال کیا جبکہ اللہ سے بیٹا مانگا تو ھب کا لفظ استعمال کیا۔ ھب کا لفظ غیر نبی کے

لئے بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ سورہ فرقان میں ارشاد ہے۔

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ

جبکہ لفظ وابعث کا معنیٰ ''بھیج'' ہے نہ کہ پیدا کر اس سے یہ حقیقت معلوم ہوئی کہ جناب خلیل علیہ السلام کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود مبارک کا علم تھا اور کیوں نہ ہو جبکہ میثاق انبیاء علیہم السلام میں وہ آپ کی مدد و نصرت کا عہد کر چکے تھے۔

بھیجا وہی جاتا ہے جو پہلے سے موجود ہو۔

جب حضرت ہابیل کو قابیل نے قتل کر ڈالا تو اب اس کی لاش اٹھائے مضطرب پھر رہا تھا کہ اس لاش کو کہاں پھینکے اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ نے کوا بھیجا جس نے زمین کھودنے کا سلیقہ قابیل کو سکھایا۔ فرمان رحمان ہے:

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ

پس اللہ نے کوا بھیجا زمین کو کریدتے ہوئے۔

کوا پہلے سے موجود تھا تو بھیجا گیا۔

ایسے ہی جب روز قیامت انسانوں کو قبروں سے اٹھایا جائے گا تو کافریوں بولیں گے۔

مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا

''ہمیں قبروں سے کس نے اٹھایا؟''

یعنی وہ پہلے قبروں میں موجود ہوں گے تو اٹھیں گے۔

لفظ وابعث سے واضح کر دیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے پہلے اپنے وجود نوری کے ساتھ جلوہ گر تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

كنت نبيا و آدم بين الماء والطين

میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام پانی اور مٹی کے مابین تھے۔ حضرت علی رضی

اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ میں آدم علیہ السلام کی تخلیق سے چودہ ہزار سال پہلے موجود تھا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تخلیق آدم علیہ السلام سے پہلے اللہ کے علم میں نبی تھے موجود نہ تھے۔ یہ سراسر غلط ہے کیونکہ اللہ کے علم کی بات کی جائے تو اللہ کے علم میں تو تمام انبیاء علیہم السلام بلکہ جمیع الناس بھی تھے۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تخلیق آدم علیہ السلام سے پہلے موجود تھے۔

جناب حسان رضی اللہ عنہ نے کیا خوب کہا:

كانك قد خلقت كما تشاء

''جیسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاہا رب نے ویسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنایا''

اس مصرعے میں قابل توجہ بات یہ ہے کہ جیسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاہا رب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ویسے ہی بنایا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ ''ہونا'' پہلے ہے ''چاہنا'' بعد میں اس لئے کہ کوئی تب چاہتا ہے جب وہ ہوتا ہے ہم ہیں تو ہماری چاہت بھی ہے۔ حضرت حسان نے واضح کر دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک وجود اس بشری وجود سے پہلے تھا اور وہ نوری وجود تھا جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

''میں اپنے رب کے ہاں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے چودہ ہزار سال پہلے نور تھا''۔

محدث عبدالرزاق نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے:

قل قلت يارسول الله بابى انت وامى اخبرنى عن اول شىء خلقه الله تعالىٰ قبل الاشياء قال يا جابر ان الله خلق قل الاشياء نور نبيك من نوره فجعل ذال النور يدور بالقدرة حيث شاء الله ولم يكن فى ذالك الوقت لوح ولا قلم ولا جنة ولا نار ولا ملك ولا سماء والارض ولا شمس ولا قمر ولا جن ولا

انس فلما اراد اللّٰہ تعالیٰ ان یخلق الخلق قسم ذالك النور اربعة اجزاء فخلق من الجزء الاول القلم ومن الثانی اللوح ومن الثالث العرش ثم قسم الربع اربعة اجزاء فخلق من الجزء الاول نورابصار المومنین ومن الثانی نور قلوبھم وھی المعرفة باللّٰہ تعالیٰ ومن الثالث نور انبیھم وھوا لتوحید لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔

ترجمہ: ''حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ ارشاد فرمائیے کہ کس چیز کو اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے پیدا کیا؟ فرمایا: اے جابر! اللہ تعالیٰ نے سب اشیاء سے پہلے تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا کیا۔ پھر وہ نور قدرت سے جہاں اللہ تعالیٰ نے چاہا پھرتا رہا۔ اس وقت لوح، قلم، جنت، دوزخ، فرشتہ، آسمان، زمین، چاند، سورج، جن و انسان کچھ بھی نہ تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق بنانے کا ارادہ کیا تو اس نور کے چار حصے بنائے۔ پہلے حصہ سے قلم، دوسرے سے لوح اور تیسرے سے عرش بنایا۔ پھر چوتھے کے مزید چار حصے کئے۔ ان میں سے پہلے حصہ سے مومنوں کی آنکھوں کا نور، دوسرے سے ان کے دلوں کا نور یعنی اللہ تعالیٰ کی معرفت اور تیسرے سے ان کیا نور یعنی توحید۔ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ بنائی''۔

حضرت میسرہ الفخر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کب سے نبی ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا (میں اس وقت سے صفت نبوت سے موصوف ہوں) جبکہ آدم علیہ السلام روح و جسم کے درمیان تھے (یعنی ابھی ان کے روح کا جسد اطہر سے تعلق ہوا تھا)

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

ارشاد فرمایا کہ بے شک میں حق تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین ہو چکا تھا اور آدم علیہ السلام ابھی اپنے خمیر ہی میں تھے یعنی ان کا پتلا بھی تیار نہ ہوا تھا (احمد اور بیہقی نے اسے روایت کیا اور حاکم نے اسے صحیح الاسناد کہا ہے)

احکام ابن القطان رحمۃ اللہ علیہ میں حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ اپنے باپ امام حسین رضی اللہ عنہ اور وہ ان کے جدامجد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں آدم علیہ السلام کے پیدا ہونے سے چودہ ہزار برس پہلے اپنے پروردگار کے حضور میں ایک نور تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ ! آپ کے لئے نبوت کس وقت ثابت ہو چکی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس وقت جبکہ آدم علیہ السلام ابھی روح اور جسد کے درمیان تھے یعنی ان کے تن میں جان بھی نہ آئی تھی۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کر کے حسن قرار دیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے ایک رسول مانگا حالانکہ آپ علیہ السلام کے بعد کئی نبی و رسول مبعوث ہوئے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ خواہش تھی کہ انہیں نسبت محمدیہ ﷺ کی نعمت میسر آئے اور وہ رسول ان کی اولاد میں سے ہو چنانچہ آپ علیہ السلام نے منہم کے الفاظ استعمال فرمائے اور منہم سے مراد آپ کی آنیوالی نسل تھی۔ اللہ نے خلیل اللہ کی دعا قبول فرمائی اور شہر مکہ میں ایک ہی رسول مبعوث فرمایا۔

آیات کے سیاق و سباق سے یہ بات عیاں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا تعمیر کعبہ کے دوران یا پھر تکمیل کعبہ کے بعد مانگی یعنی جناب خلیل اللہ نے کعبے کی ایک ظاہری بنیاد رکھی اور حضور ﷺ کو اللہ سے مانگ کر کعبے کی حقیقی بنیاد رکھی کیونکہ اس گھر کو صحیح معنی میں تاجدار انبیاء نے ہی آباد فرمایا اور تاریخ شاہد ہے کہ آپ ﷺ کی

ولادت باسعادت پر کعبہ آپ کے گھر کی طرف جھکا اور حضرت امام جلال الدین سیوطی کے مطابق کعبے میں لرزہ آیا گویا کہ وہ ولادت محمدی ﷺ پر وجد میں آ گیا اور ایسا کیوں نہ ہوتا آپ ﷺ نے ہی تو اس کو تمام مومنین کا مرکز بنایا جیسا کہ قرآن نے اس کی تصریح کی ہے۔

فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا

''پس ہم پھیر دیں گے آپ کو آپ کی مرضی کے قبلہ کی طرف''

(۶) ابراہیم علیہ السلام نے آگے عرض کی: یعلوا علیھم آیتك

یعنی یہ نبی ان لوگوں پر تیری آیات کی تلاوت کرے۔

آیت ہے آیت دوسرے ہے تلاوت

آیت کی تلاوت تب کی جائے گی جب تلاوت کرنی آتی ہو اور تلاوت اس وقت تک ممکن ہیں جب تک حروف والفاظ کی پہچان نہ ہو اس سے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ کو حروف والفاظ کی پہچان من جانب اللہ عطا کر دی گئی۔ بایں ہمہ آپ ﷺ قاری بن کر آئے۔

اگلے حصے میں خلیل اللہ نے عرض کی: وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ یعنی تیرا رسول انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے۔

علم کا لفظی مطلب سکھانا ہے اور سکھاتا وہ ہے جو پہلے خود سیکھتا ہے۔ معلوم ہوا اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے موافق آپ ﷺ کو علم سکھانے بالخصوص کتاب سکھانے کا دایہ عطا کر کے بھیجا۔ آپ ﷺ علم کے زیور سے آراستہ ہو کر دنیا میں تشریف لائے اسی لئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: انما بعثت معلما

''بیشک مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے''۔

ایسا ہرگز نہیں کہ آپ ﷺ دنیا میں آ کر معلم بنے بلکہ آپ ﷺ معلم بنا کر بھیجے گئے۔ آپ کو نعمت حکمت سے مزین کر کے بھیجا گیا۔ حکمت کو قرآن میں خیر کثیر سے

تعبیر کیا گیا ہے اور وہ آپ ﷺ کی جھولی میں تھی۔

دعائے خلیل کے اگلے الفاظ یہ ہیں:

وَيُزَكِّيهِمْ اور وہ انہیں پاک کرے۔

طہارت دو قسم پر ہے ظاہری اور باطنی۔ ظاہری طہارت جسم کی پاکیزگی کا نام ہے جبکہ باطنی طہارت صفائے قلب و باطن سے متصف ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے دونوں طرح کی طہارت کا التزام فرمایا۔

یہاں اس امر پر بھی توجہ رہے کہ طہارت و پاکیزگی جس چیز سے حاصل کی جاتی ہے اس کا خود پاک و صاف ہونا لازمی ہے وگرنہ طہارت حاصل نہیں ہوگی۔ مثال کے طور پر ہم وضو سے جسمانی طہارت پاتے ہیں اور اگر وضو کا پانی ناپاک ہو تو وہ ہمارے جسم کو مطہر نہیں کرے گا اس لئے کہ جو خود پاک نہیں وہ دوسروں کو کیا پاکیزگی دے سکتا ہے؟ سرورِ دو عالم ﷺ کو عالمِ انسانیت کو پاک و صاف کرنے آئے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ خود پاک نہ ہوں۔ اس لئے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ آپ خود بھی پاک ہیں اور آپ ﷺ کا تمام نسب تا حضرت آدم و شیث تمام کا تمام پاکیزہ اور غلط کاری سے پاک و منزہ ہے۔ اللہ نے آپ ﷺ کے نور کو پاک پشتوں میں رکھا اور آپ ﷺ کے لئے خاندان قبیلے اور گھرانے کو چنا منتخب کیا اور اللہ کے انتخاب میں کوئی کمی و عیب ممکن نہیں۔

میں نے وضو کی مثال عرض کی یہاں یہ بھی واضح کرتا چلوں کہ جس وضو کی ٹوٹی سے وضو کیا جاتا ہے اس کا پائپ اگر اندر سے ناپاک ہو تو وضو نہیں ہوتا اور جو اس آنیوالے پانی کا مرکز ہے یعنی پانی کی ٹینکی اگر وہ نجاست سے بھری ہوئی ہو تب بھی وضو نہیں ہوگا۔ وضو تب ہوگا جب پانی خود بھی پاک و صاف ہو اور جس پائپ اور ٹینکی سے پانی آ رہا ہے وہ بھی پاک ہوں۔ اب رسول کے مطہر و پاکیزہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کا نور جن جن پشتوں سے ہو کر آیا وہ تمام نفوس پاک ہوں اور اس کا نتیجہ اس بات کا

اعتراف ہے کہ سرورانبیاء کا نسب تمام کا تمام پاکیزہ ہے کہیں کوئی نجس شخص موجود ہیں اور اس بات کی صراحت احادیث میں بھی کردی گئی ہے۔ نیز قرآن مجید نے اس کی بابت فرمایا:

وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ

یعنی آپ ﷺ سجدہ کرنے والوں کی پشت میں محوسفر رہے اور بارگاہ الٰہیہ میں سجدہ کناں ہونے والے مومن ہی ہوتے ہیں۔

آیت نمبر ۱۳۰ میں اس بات کو صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ جناب خلیل اللہ علیہ السلام کی فکر سے وہی انحراف کرسکتا ہے جو حماقت میں مبتلا ہے۔

(۷) اس آیت سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی ملت وفکر کو تسلیم کرنا اور اس پر کاربند رہنا عقل ودانش مندی کی علامت ودلیل ہے۔

(۸) انبیاء علیہم السلام کے مشن اور فکر کو رد کرنا یا چھوڑ دینا حماقت و دیوانگی کی علامت ہے۔

(۹) انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے منتخب اور چنے ہوئے لوگ ہوتے ہیں اس لئے ان کی فکر اور پیغام مبنی برحق ہوتا ہے۔

(۱۰) انبیاء علیہم السلام کے لئے دنیا وآخرت میں بھلائی ہے اور جو ان سے منسلک ہوگا اس کو بھی دنیا وآخرت کی بھلائی نصیب ہوگی۔

(۱۱) واضح کیا گیا ہے کہ جو خلیل علیہ السلام کی فکر سے انحراف کرے وہ بیوقوف ہے اور جناب خلیل اللہ علیہ السلام کی فکر میں یہ بات بھی شامل ہے کہ آپ ﷺ پہلے سے موجود اور اول رسول ہیں۔ آپ کتاب وحکمت اور تلاوت آیات کی صلاحیت لے کر جلوہ گر ہوئے۔ اس فکر اور عقیدے سے وہی منہ موڑ سکتا ہے جو عقل ودانش سے معذور ہو۔

؎ وہ نہیں مانے گا شان بشر رسول کا نور
جو عقل و حواس ہوش و خرد سے ہو معذور

واقعہ حضرت عزیر علیہ السلام

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ وَّ هِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰی یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ یَتَسَنَّهْ ۚ وَ انْظُرْ اِلٰی حِمَارِكَ وَ لِنَجْعَلَكَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَ انْظُرْ اِلَی الْعِظَامِ كَیْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○

آیت کے حوالہ جات

سورت کا نام	البقرہ
سورت کا نمبر	۲
آیت کا نمبر	۲۵۹

آیت کا ترجمہ

یا اس آدمی کو (نہیں دیکھا) جو ایک بستی پر سے گزرا جو اپنی چھتوں پر گری پڑی تھی تو اس نے کہا اللہ اس کی موت کے بعد اسے کیسے زندہ فرمائے گا۔ پس اللہ نے اسے سو (۱۰۰) سال تک مردہ رکھا پھر اسے زندہ کیا پوچھا تو یہاں کتنی دیر ٹھہرا رہا؟ اس نے کہا میں ایک دن یا ایک دن کا کچھ حصہ ٹھہرا ہوں۔ فرمایا: تو سو (۱۰۰) سال پڑا رہا پس تو اپنے کھانے اور پینے (کی

چیزوں) کو دیکھ باسی بھی نہیں ہوئی اور اپنے گدھے کی طرف دیکھ اور یہ اس لئے کہ ہم تجھے لوگوں کے لئے نشانی بنا دیں اور ہڈیوں کی طرف دیکھ ہم انہیں کیسے حرکت دیتے ہیں پھر انہیں گوشت پہناتے ہیں جب یہ (منظر) اس پر خوب ظاہر ہو گیا تو بول اٹھا میں جانتا ہوں کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

نکتہ بیانی

(۱) یہ واقعہ حضرت عزیر علیہ السلام کا ہے جب وہ ایک تباہ شدہ بستی پر سے گزرے تو ان کے ذہن میں یہ سوال آیا کہ اس بستی کو رب کیسے زندہ فرمائے گا۔

(۲) انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے اور معصوم ذہنوں میں سوال کا آنا فطرت کے خلاف نہیں۔ نیز حضرت عزیر علیہ السلام کے ذہن میں پنپنے والا سوال معاذ اللہ تشکیک کی بنا پر نہیں تھا بلکہ اس کے پیچھے آپ کے دل میں پیدا ہونے والی خواہش مشاہدہ موجود تھی کہ میں دیکھوں کہ رب کس طرح زندہ فرماتا ہے گویا وہ رب کی شان کا عینی منظر دیکھنا چاہتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کی دلی خواہش کو جان لیا اور جو مشاہدہ وہ کرنا چاہتے تھے اس سے بڑا مشاہدہ کروا دیا کہ خود ان پر موت کو طاری کیا۔

(۳) کھانے پینے کی اشیاء پر نبی یا اہلبیت نبی کی محنت تھی جبکہ گدھے کو خدائے تخلیق کیا تھا اس لئے اللہ نے کھانے پانی کو تر و تازہ رکھا اور گدھے کو ہڈیاں کر دیا۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے سو سال گزر جانے کے بعد حضرت عزیر علیہ السلام کو جب اٹھایا تو ان سے سوال کیا کہ تم کتنی مدت ٹھہرے رہے اللہ تعالیٰ کا بعد از موت حضرت عزیر علیہ السلام سے عرصہ موت کا سوال کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ کیفیت موت میں بھی انبیاء علیہم السلام کے احساسات زندہ ہوتے ہیں وگرنہ سوال کی کیا گنجائش؟

(۵) نہایت توجہ طلب تو یہ بات ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے سوال پر یہ نہیں کہا کہ مجھے کچھ بھی معلوم نہیں بلکہ عرض گزار ہوئے کہ میں ایک دن یا اس کا کچھ

حصہ اس حالت میں رہا ہوں اب ایک دن یا دن کا بعض حصہ جناب عزیر علیہ السلام کا اندازہ تھا اور انداز بغیر حواس کے ہو ہی نہیں سکتا انہیں اپنی کیفیت موت کا اندازہ تھا ہاں یہ عرصہ سو سال کا تھا مگر آپ کو ایسے لگا جیسے ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ہے۔
کیفیت موت کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر علیہ السلام کو دوسرا مشاہدہ کروایا کہ کھانا تر و تازہ تھا جبکہ گدھا ہڈیاں بن چکا تھا بعض یوم کی دلیل کھانا جبکہ سو سال گزرنے کی دلیل گدھے کی ہڈیاں ہوئیں پھر اللہ تعالیٰ نے گدھے کی ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا۔

(۶) حضرت عزیر علیہ السلام پر سو سال کیفیت موت کے گزرے لیکن وہ صحیح سلامت تھے معلوم ہوا موت کے بعد انبیاء علیہم السلام کے اجسام بعینہٖ تر و تازہ رہتے ہیں ان کے بدن کو زمین نہیں کھا سکتی۔

(۷) حضرت عزیر علیہ السلام نے اپنے اعتقاد یوم آخرت پر دلیل طلب کرنے کی غرض سے سوال نہیں کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ (سب کچھ) اس لئے کیا کہ تمہیں لوگوں (کو پیش کرنے) کے لئے دلیل بنا دیں نہ کہ عزیر کے لئے کیونکہ وہ طالب دلیل نہیں بلکہ طالب مشاہدہ تھے۔ آیت کے اختتام حصے میں صراحت کے ساتھ حضرت عزیر نے کہا کہ میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

(۸) حضرت عزیر علیہ السلام کے ذہن میں تو یہ سوال ابھرا تھا کہ اللہ اس تباہ شدہ بستی کے لوگوں کو کس طرح زندہ فرمائے گا جواب کا اصل تقاضا تھا کہ انہیں مردہ شدہ لوگوں کو زندہ کر کے دکھایا جاتا مگر ایسا نہیں ہوا کیونکہ وہ لوگ عذاب الٰہی کی نظر ہوئے تھے زندگی ایک نعمت ہے اللہ تعالیٰ نے دوبارہ انہیں دنیاوی زندگی کو دینا گوارا نہ کیا جبکہ گدھے کو دوبارہ زندگی دی۔ اس لئے کہ خدا سے روگردانی کرنے والے انسانوں سے گدھا بہتر ہے۔
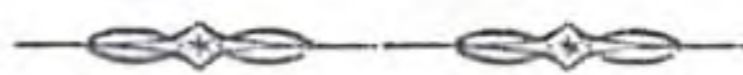
اصلاحی فسادی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۝ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝

آیات کے حوالہ جات

سورت کا نام	البقرہ
سورت کا نمبر	۲
آیات نمبر	۸تا۱۲

آیات کا ترجمہ

اور لوگوں میں سے بعض (ایسے بھی ہیں جو) کہتے ہیں ہم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اور وہ (اس کے باوجود) مومن نہیں ہیں وہ اللہ اور ایمان والوں کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں مگر وہ اپنے آپ کو ہی دھوکہ دے رہے ہیں اور انہیں اس کا شعور نہیں۔

ان کے دلوں میں بیماری ہے۔ پس اللہ نے ان کے دلوں کی بیماری کو اور بڑھا دیا ان کے لئے دردناک عذاب ہے ان کے جھوٹ بولنے کے سبب۔

اور جب ان سے کہا جاتا ہے زمین میں فساد نہ کرو تو کہتے ہیں ہم ہی تو
اصلاح کرنے والے ہیں۔آ گاہ ہو جاؤ یہی لوگ فساد کرنے والے ہیں مگر
انہیں شعور نہیں۔

نکتہ بیانی

(۱) ایمان کے جہاں ظاہری تقاضے ہیں وہاں اس کے باطنی تقاضے بھی ہیں۔اگر باطنی تقاضے پوری نہ کئے جائیں تو ظاہری تقاضے رد کر دیئے جاتے ہیں۔ایمان کا دعویٰ تو ایمان کا ظاہری پہلو ہے جبکہ اس کا قلب میں راسخ ہونا ایمان کا حقیقی عنصر ہے۔

(۲) منافقوں کے زعم میں یہ بات تھی کہ اگر ایمان لانا بھی ہے تو اللہ اور یوم آخرت پر لایا جائے ایک بشر کو آخر نبی اور رسول کیونکر مانا جائے یعنی ان کے نزدیک ایمان بالرسالت کی کوئی اہمیت نہ تھی اور وہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ بغض رکھتے اور آپ کی طرف بڑھنے اور خدمت میں پیش ہونے کی نوبت آتی تو وہ پیچھے کی طرف ہٹ جاتے۔جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

رَاَیْتَ الْمُنٰفِقِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا

معلوم ہوا در نبی سے دور بھاگنا آپ ﷺ کی تعظیم وتوقیر سے گریزاں ہونا واضح طور پر منافقوں کی پہچان ہے۔موجودہ دور میں بھی ایسے منافق موجود ہیں جو آپ ﷺ کی معنی خیز تعظیم کو شرک قرار دیتے ہیں۔آپ کی امت ان پر گراں گزرتی ہے۔ حضور ﷺ کی شان میں سجائی جانے والی محافل کو بدعت قرار دیتے ہیں اور رسول کو بڑے بھائی اور گاؤں کے چودھری اور ایک ڈاکئے کی طرح تصور کرتے ہیں۔

(۳) منافق یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنی حرکات کے ذریعے رسول اکرم ﷺ کو اور اہل ایمان کو دھوکے دے رہے ہیں لیکن حقیقت میں وہ اپنے آپ کو دھوکہ دے کر اپنی عاقبت خراب کر رہے ہیں وہ دھوکہ اور فریب یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے آپ کو حقیقی توحید پرست گردانتے ہیں اور عوام مسلمان کو مشرک قرار دیتے ہیں۔

(۴) سوال یہ ہے کہ آخر کار یہ منافق لوگ ایسا کر کے اپنی آخرت خراب کیوں کر رہے ہیں۔ قرآن نے اس کی وجہ شعور کی کمی بتائی ہے۔ یہ لوگ شعور کے نور سے محروم ہیں۔ اگر ان کے پاس ذرہ بھر بھی شعور ہوتا تو جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ نہ کر پاتے۔

؎ در رسول سے دوری منافق کی ہے پہچان
مومن نہیں یہ سراسر دھوکہ ہے ان کا ایمان

اور یہ نمایاں حقیقت ہے کہ انہیں در رسول کی طرف آنا اور آپ کی تعریف و توصیف وتوقیر ناگوار ہوتی ہے۔

جب سرکار دو عالم مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو تمام مسلمان آپ ﷺ کی آمد کی خوشیاں منا رہے تھے لیکن حضور ﷺ کا یہ عظیم الشان استقبال اور آمد کا جشن رائیس المنافقین عبداللہ بن ابی پر سخت ناگوار گزرا اور اب بھی اس منافق کے باقیات کی وہی حالت ہے۔

(۵) آخر منافق یہ سب کچھ کیوں کرتے ہیں اور رسول اکرم کے در پے کیوں ہیں اس کی وجہ ان کے دلوں کی بیماری ہے یعنی ان کے دل غم کی بیماری سے بھرے ہیں کہ اس رسول کو اتنی عظمت کیوں ملی ہے اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بیماری کو ان کے طرز عمل کی بدولت اور زیادہ کر دیا ہے تا کہ وہ جتنا کچھ کر سکتے ہیں کر لیں اللہ تعالیٰ اتنا ہی اسلام اور رسول کریم کی شان و عظمت کو بلند کر دے گا اور حضور کی عظمت جتنی زیادہ آشکار ہوتی جائے گی ان کے غم کی بیماری بڑھتی ہی چلی جائے گی اور اپنے جھوٹے کارناموں کی وجہ سے وہ عذاب کے سمندر میں ڈوبتے جائیں گے۔

؎ جس قدر بغض میں بڑھیں گے منافق
اتنے ہی بڑھتے جائیں گے مصطفیٰ ﷺ کے عاشق

(۶) اللہ تعالیٰ نے منافقین کی ایک اور گھناؤنی حرکت کی طرف متوجہ فرمایا ہے اور وہ یہ کہ جب ان سے کہا جاتا ہے (اہل ایمان کی طرف سے) کہ زمین میں فساد مت کرو تو

وہ کہتے ہیں ہم ہی تو اصلاح کرنے والے ہیں یعنی اصلاح کے نام پر فتنہ وفساد کرنا منافقوں کی عادت ہے۔ ظاہراً وہ اصلاحی باتیں کرتے ہیں لیکن در پردہ ان اصلاحی باتوں میں فساد موجود ہوتا ہے یعنی ان کا طرزِ عمل ظاہری طور پر مثبت ہوتا ہے اور حقیقی طور پر منفی۔

قرآن مجید نے ایک مرتبہ پھر توجہ دلائی کہ یہ لوگ خود ہی فسادی ہیں اگرچہ ان کا دعویٰ اور پیغام اصلاح کا ہے اور یہ سب کچھ ان کی ناشعوری کی بنا پر ہے۔

باشعور وہ ہے جس کی نیت بھی مثبت ہو، عمل بھی مثبت ہو اور نتائج بھی مثبت ہوں لیکن منافق لوگ ظاہری طور پر بہت اچھی باتیں کرتے اور قرآن سناتے ہیں لیکن انہیں اس بات کا شعور نہیں کہ قرآن وحدیث امن کا درس دیتے ہیں نہ کہ فتنہ وفساد کا۔

ع قرآن و حدیث کے سہارے کرتے ہیں فساد
قول و عمل ان کا کچھ بھی نہیں بس مجموعہ اضداد

مثال کی اہمیت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسۡتَحۡیٖۤ اَنۡ یَّضۡرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوۡضَۃً فَمَا فَوۡقَہَا ؕ فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فَیَعۡلَمُوۡنَ اَنَّہُ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّہِمۡ ۚ وَاَمَّا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فَیَقُوۡلُوۡنَ مَاذَاۤ اَرَادَ اللّٰہُ بِہٰذَا مَثَلًا ۘ یُضِلُّ بِہٖ کَثِیۡرًا ۙ وَّیَہۡدِیۡ بِہٖ کَثِیۡرًا ؕ وَمَا یُضِلُّ بِہٖۤ اِلَّا الۡفٰسِقِیۡنَ ۙ

آیت کے حوالہ جات

سورت کا نام	البقرہ
سورت کا نمبر	۲
آیت نمبر	۲۶

آیت کا ترجمہ

بے شک اللہ اس بات سے نہیں شرماتا کہ کوئی مثال بیان فرمائے مچھر کی ہو یا اس سے بھی بڑھ کر ہو تو جو لوگ ایمان والے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے اور جو کافر ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس مثال سے اللہ کو کیا سروکار، اللہ تعالیٰ (اس) کے ذریعے بہت سے لوگوں کو گمراہ ٹھہراتا ہے اور بہت سے لوگوں کو ہدایت دیتا ہے اور اس (قرآن) سے صرف انہیں کو گمراہ کرتا ہے جو نافرمان ہیں۔

نکتہ بیانی

(۱) مثال دینا اللہ تعالیٰ کی سنت ہے۔

(۲) مثال مطلوب ومقصود کو سمجھانے کے لئے دی جاتی ہے۔

(۳) یہ مدنظر رکھا جاتا ہے کہ مثال کس چیز کی اور کس کے لئے دی جارہی ہے اور اس کا مقصد کیا ہے؟

(۴) مثال دینے والا مثال کا محتاج نہیں ہوتا بلکہ ممثل لہ اس کا محتاج ہوتا ہے۔

(۵) مثال دی جانے چیز ممثل لہ کے ذہن کے مطابق ہو۔

(۶) مثال اس چیز سے دی جائے جو ممثل لہ کے لئے معروف ہو۔

(۷) مثال مشکل بات کو سمجھنے میں معاون ہوتی ہے۔

(۸) مثال دینے کے دو طرح کے نتائج ہوتے ہیں یعنی جن لوگوں کے لئے مثال بیان کی جاتی ہے ان میں سے صاحبان شعور بات کے حقیقی مقصود کو سمجھ جاتے ہیں جبکہ دوسرے طبقے کے وہ لوگ ہوتے ہیں جو اس مثال سے نتیجہ اخذ کرنے کی بجائے اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔

(۹) مثال مقصود نہیں ہوتی مقصود وہ بات ہوتی ہے جس کے لئے مثال دی جاتی ہے۔

(۱۰) جب اللہ تعالیٰ مثال دے تو ایمان والے اس کے مقصود کو سمجھ کر اسے قبول کرتے ہیں اور وہ مثال پر توجہ مرکوز کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کے پیغام پر توجہ مرکوز کرتے ہیں یوں انہیں ہدایت نصیب ہوتی ہے جبکہ نافرمان بجائے سمجھنے کے اعتراضات کرتے ہیں جو ان کی گمراہی کا سبب بنتے ہیں۔

(۱۱) قرآن کے ذریعے زیادہ لوگ گمراہ کئے جاتے ہیں جبکہ دوسری طرح کے لوگ ہدایت پاتے ہیں گمراہوں سے ہدایت پانے والوں کی تعداد کم ہوتی ہے۔

(۱۲) یہاں مناسب ہوگا کہ مثال دینے کے طریقے بیان کئے جائیں۔

مثال دینے کے درج ذیل تین طریقے ہیں:

۱۔ مثال قبل المقصود

یعنی مثال کو مقصود سے پہلے ذکر کرنا اور مقصود کو مثال کے بعد ذکر کرنا جیسے مثال کے

طور پر اگر کوئی شخص آسمان سے گرے تو اس کا کچھ بچتا ہے؟ ظاہر ہے اس سوال کا جواب نہیں میں ہوگا تو پھر کہا جائے گا کہ ایسے ہی آدمی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرے وہ برباد وتباہ ہوگا کسی صورت میں بچ نہیں سکتا۔

۲-مثال مع المقصود

اس سے مراد ہے کہ مثال کو مقصود کے ساتھ بیان کیا جائے جیسے مقرر سامعین سے کہے:

گلاب کے پودے کے تنے سے سب سے پہلے پتے نکلتے ہیں اور پتے پھول کے آنے کی خبر دیتے ہیں ایسے ہی تمام انبیاء علیہم السلام رسالت ونبوت کے پتے تھے اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسے پھول کے آنے کی خبر دیتے رہے اور پھر پھول آنا سب سے آخر میں ہے مگر سب پتوں سے بلند ہوتا ہے۔ ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب انبیاء علیہم السلام کے آخر میں آئے لیکن سب سے بلند ہیں۔

۳-مثال بعد المقصود

بعض اوقات مقصود کو پہلے بیان کر دیا جاتا ہے اور مثال بعد میں دی جاتی ہے اسے مثال بعد المقصود کہتے ہیں جیسے

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے توسل کے بغیر انسان اللہ رب العزت کی توحید کے سمندر سے سیراب نہیں ہو سکتا ہے اس کی مثال بلا تشبیہ ایسے ہے کہ جیسے سمندر سے بخارات اٹھتے ہیں اور وہ بادل بن کر ویران زمینوں پر برستے ہیں تو ان میں جان آجاتی ہے۔ بادل سمندر نہیں مگر سمندر سے جدا بھی نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا نہیں مگر خدا سے جدا بھی نہیں۔ جو خدا سے ملنا چاہتا ہے اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دامن رحمت کو تھامنا ہوگا۔

خلیفۃ اللہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَاِذۡ قَالَ رَبُّكَ لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىۡ جَاعِلٌ فِى الۡاَرۡضِ خَلِيۡفَةً ؕ قَالُوۡٓا اَتَجۡعَلُ فِيۡهَا مَنۡ يُّفۡسِدُ فِيۡهَا وَ يَسۡفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَ نَحۡنُ نُسَبِّحُ بِحَمۡدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّىۡٓ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۝ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمۡ عَلَى الۡمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنۡۢبِـُٔوۡنِىۡ بِاَسۡمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ۝ قَالُوۡا سُبۡحٰنَكَ لَا عِلۡمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَآ ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ ۝ قَالَ يٰٓـاٰدَمُ اَنۡۢبِئۡهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ ۚ فَلَمَّآ اَنۡۢبَاَهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّـكُمۡ اِنِّىۡٓ اَعۡلَمُ غَيۡبَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۙ وَاَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَمَا كُنۡتُمۡ تَكۡتُمُوۡنَ ۝ وَاِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡٓا اِلَّآ اِبۡلِيۡسَ ؕ اَبٰى وَاسۡتَكۡبَرَ وَكَانَ مِنَ الۡكٰفِرِيۡنَ ۝

آیات کے حوالہ جات

سورت کا نام	البقرہ
سورت کا نمبر	۲
آیات نمبر	۳۰ تا ۳۴

آیات کا ترجمہ

اور یاد کرو جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں۔ انہوں نے عرض کیا: کیا تو زمین اس کو خلیفہ بنائے گا

جو اس میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا اور ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں (اللہ تعالیٰ) نے فرمایا: بے شک میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

اور اللہ نے آدم کو تمام (اشیاء کے) نام سکھا دیئے پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش فرمایا اور فرمایا: مجھے ان اشیاء کے نام بتا دو اگر تم سچے ہو۔

فرشتوں نے عرض کیا تو پاک ہے، ہمیں کچھ علم نہیں مگر جو تو نے ہمیں سکھایا ہے بے شک تو ہی جاننے والا حکمت والا ہے۔

اللہ نے فرمایا: انہیں ان اشیاء کے نام بتاؤ جب آدم نے انہیں ان اشیاء کے نام بتائے تو (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو جانتا ہوں اور وہ بھی جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔

اور جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے اس نے انکار کیا اور کافر ہو گیا۔

نکتہ بیانی

(۱) اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کثرت کے ساتھ اپنی ربوبیت کی نسبت حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی طرف کی ہے جس سے عند اللہ آپ کے مقام کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو تخلیق آدم کے بارے میں بتایا چونکہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے مقرب اور اطاعت گزار بندے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے جب آدمی کوئی اہم کام کرے تو اپنے قریبی لوگوں کو بتا دے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے خلیفہ کو زمین پر آباد کرنے کو کہا اس لئے کسی بھی اور سیارے پر انسان نہیں پائے جا سکتے۔

(۴) سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو کیوں بتایا کہ میں زمین پر خلیفہ بنانے والا ہوں۔

(i) کیا اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے مشورہ لیا؟

(ii) کیا اللہ تعالیٰ ان کی رائے معلوم کرنا چاہتا تھا؟

(iii) کیا حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کا اعلان مقصود تھا؟

اللہ تعالیٰ اس سے بے نیاز ہے کہ وہ کسی سے مشورہ یا رائے لے چنانچہ تیسری بات صحیح ہے کہ رب نے خلیفہ کی خلافت کا اعلان فرمایا۔

(۵) اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام کا زمین پر آنے کا فیصلہ پہلے ہی ہو چکا تھا۔ جنت میں آپ کا داخل ہونا بطور اعزاز تھا نہ کہ بطور جزا۔

(۶) جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو تخلیق آدم علیہ السلام کے بارے میں اطلاع دی تو فرشتوں نے درج ذیل گزارشات کیں۔

(i) کیا تو اسے خلیفہ بنائے گا جو زمین پر فساد کرے گا۔

(ii) جو زمین پر خون بہائے گا۔

(iii) ہم تیری تسبیح بیان کرتے ہیں اور تیری حمد و تقدیس کے خوگر ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بات کی نفی نہیں فرمائی۔

(۷) سوال یہ ہے کہ فرشتوں نے یہ بات کیوں عرض کی حالانکہ اللہ کو ان کی تسبیح و تقدیس کا علم ہے۔

(۸) ذہن اسی طرف جاتا ہے کہ شاید ملائکہ اپنے آپ کو تقدیس و حمد کی بنا پر خلافت کا حقدار سمجھتے تھے۔

(۹) آدم کی تخلیق سے پہلے فرشتوں نے انسان کے فساد کرنے اور خون بہانے کا پتہ کیسے لگا لیا یعنی ایک چیز ابھی واقع ہی نہیں ہوئی اور اس کے واقع ہونے کا فرشتوں نے امکان ظاہر کر دیا بعض اہل علم کے مطابق اس سے پہلے زمین پر جنات فساد کر چکے تھے۔ فرشتوں نے اس پر قیاس کرتے ہوئے یہ بات کہی۔ یہاں سے قیاس کی شرعی حیثیت تو واضح ہو گئی مگر یہ معاملہ قابل غور ہے کہ کیا جنات میں خون موجود ہوتا ہے؟ یا یہ فرشتوں

نے حضرت آدم علیہ السلام کے اجزائے تخلیق سے یہ اندازہ کیا یا پھر انہوں نے اپنی روحانیت کی بناپر اسکا اندازہ کرلیا تھا۔ واللہ اعلم۔

(۱۰) جب فرشتوں نے انسان کی خصلت فساد وخون ریزی کی بات کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو رد نہیں فرمایا کیونکہ یہ خصلت واقعتاً موجود تھی اور اب تو زمین پر اس کا ہزارہا مرتبہ مشاہدہ ہو چکا ہے۔

(۱۱) فرشتوں نے یہ بات بطور اعتراض نہیں کی بلکہ اپنی رائے دی اور تسبیح تقدیس کو سامنے رکھتے ہوئے سوال کیا معلوم ہوا بندے کو چاہئے جب اللہ تعالیٰ سے سوال کرے تو پہلے اس کی تعریف وثناء کرے پھر اپنی ضرورت کا سوال کرے۔

(۱۲) فرشتوں کے سوال پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو کچھ میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے یعنی تمہیں تخلیق آدم علیہ السلام کا ایک پہلو نظر آ رہا ہے حالانکہ اس کے اور بھی کئی پہلو ہیں جو تمہارے علم میں نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی فضیلت کا ایک پہلو فرشتوں پر ظاہر فرمایا کہ آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام سکھا دیئے اور پھر فرشتوں سے فرمایا: اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو ان چیزوں کے نام بتادو۔ فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی کے بیان کے ساتھ اعتراف کرلیا۔ ہمیں کچھ علم نہیں مگر یہ کہ جتنا تو نے عطا کیا تو ہی تو خوب جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

اس سے درج ذیل باتیں واضح ہوتی ہیں:

(۱۳) تعلیم کی ابتدا اسماء سے کرنی چاہئے اور دنیا میں یہی طریقہ رائج ہے۔ بچوں کو پہلے چیزوں کے نام سکھائے جاتے ہیں۔

(۱۴) انسان (صاحب تقویٰ) کو فرشتوں پر فضیلت حاصل ہے۔

(۱۵) فرشتوں کا علم انبیاء علیہم السلام کے مقابل کم ہے اس لئے کوئی فرشتہ نبی کا استاد نہیں ہوسکتا۔

(۱۶) خلافت و قیادت و نیابت کے لئے صرف تقویٰ ہی کافی نہیں بلکہ اس کے لئے علم زیادہ ضروری ہے۔

(۱۷) جب فرشتوں کے ساتھ آدم علیہ السلام کا علمی موازنہ ہوا تو فرشتوں نے عظمت آدم کا اعتراف کرلیا۔

(۱۸) یہ بھی معلوم ہوا کہ انسانوں میں قیادت کا حق اسی کو حاصل ہے جو علمی صلاحیت کے اعتبار سے ان میں نمایاں ہو اگر اللہ کے کلام کو سمجھا جاتا تو کوئی عطر بیچنے والا امیر اہلسنت نہ بنتا جس کو اللہ نے دینی و دنیاوی لحاظ سے علمی برتری دی ہے۔ دوسروں کو چاہئے کہ فرشتوں کی سنت پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اسے قائد تسلیم کریں ورنہ وہ شیطان کے راستے پر ہوں گے جس نے جناب آدم علیہ السلام کی عظمت کا اعتراف نہ کیا۔

(۱۹) اللہ تعالیٰ کو ظاہری اور پوشیدہ تمام چیزوں کا علم ہے۔

(۲۰) اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں۔ یہ سجدہ عبادت کا نہ تھا بلکہ تعظیمی سجدہ تھا۔ تعظیمی سجدہ اور امتوں میں جائز تھا مگر امت محمدی میں اسے حرام قرار دیا گیا۔

اگر کوئی جہالت و گمراہی کی بنا پر کسی قبر کو سجدہ تعظیمی کرے تو اسے مشرک نہیں کہا جائے گا۔ حرام کا مرتکب کہا جائے گا کیونکہ جو چیز شرک ہے وہ سب جگہ شرک ہے اور سجدہ تعظیمی اگر شرک ہوتا تو کسی امت میں رائج نہ ہوتا۔

(۲۱) تمام فرشتوں نے آدم علیہ السلام کی بالخصوص عظمت علمی کا معترف ہو کر سجدہ کیا لیکن ابلیس نے سجدے سے انکار کیا اور وہ پہلا کافر قرار دیا گیا کیونکہ شیطان خود کو آدم علیہ السلام سے بہتر سمجھتا تھا جیسا کہ اس نے سجدہ نہ کرنے پر باری تعالیٰ سے استفسار کرنے پر کہا:

اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ

"میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے (آدم کو)

مٹی سے پیدا کیا''۔

شیطان کی توجہ ان اجزاء پر تھی جو جناب آدم کی تخلیق کا مرکب تھے جبکہ ملائکہ کے پیش نظر حکم ربی کی تعمیل تھی اور آدم علیہ السلام کا علمی مقام تھا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی فرد خواہ کسی بھی قوم یا قبیلے سے تعلق رکھتا ہو اور اللہ نے اسے علم وعمل سے نوازا ہو تو اس کی عظمت کا اعتراف تمام لوگوں کو کرنا چاہیے۔

(۲۲) موجودہ دور کے مطابق اگر سجدہ تعظیمی یعنی اعتراف علمی کو ووٹ سے تشبیہ دی جائے تو کچھ غلط نہ ہوگا جو لوگ اچھے اور حقدار آدمی کو ووٹ دینے کی بجائے مالدار اور ظالم وبدکردار کو ووٹ دیتے ہیں وہ بلاشبہ شیطان کے راستے پر ہیں۔

(۲۳) شیطان حضرت آدم علیہ السلام سے عداوت کی بنا پر کافر قرار دیا اسے دشمنی خاص کر نبیوں سے ہے اور یہی بے ادبی کی عداوت لوگوں کے دلوں میں پیدا کرتا ہے اور ان کے عقیدہ رسالت میں خلل ڈالتا ہے۔ اللہ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔

قانون توبہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنۡ رَّبِّہٖ کَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیۡہِ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ ○

آیت کے حوالہ جات

سورت کا نام	البقرہ
سورت کا نمبر	۲
آیت نمبر	۳۷

آیت کا ترجمہ

پھر آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ لئے۔ پس اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمالی۔ بے شک وہی بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

نکتہ بیانی

اس آیت میں درج ذیل پانچ باتوں کا ذکر ہے۔

(۱) حضرت آدم علیہ السلام

(۲) رب تعالیٰ

(۳) حضرت آدم علیہ السلام کو سکھائے گئے کلمات

(۴) حضرت آدم علیہ السلام کی قبولیت توبہ

(۵) خدا کی توبہ قبول کرنے کی شان اور شان رحیمیت

(۱) حضرت آدم علیہ السلام سے شجر ممنوعہ کے کھانے کی بنا پر خطائے اجتہادی واقع ہوئی

تب وہ اپنے اس عمل پر عرصہ دراز تک شرمسار رہے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتے رہے کہ اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اور اگر تو نے معاف نہ فرمایا اور رحم نہ کیا تو ہم ضرور خسارا پانے والے ہو جائیں گے مسلسل استغفار کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو کچھ کلمات سکھا دیئے جو ان کی قبولیت توبہ کا سبب بنے۔ قرآن نے اس بات کی صراحت نہیں کی کہ وہ کلمات کیا تھے؟

(۲) جب توبہ اللہ تعالیٰ نے ہی قبول کرنی تھی تو وہ کلمات کیوں سکھا رہا ہے حالانکہ کلمات کے بغیر بھی اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کر سکتا تھا۔ کلمات کو قبولیت توبہ کا وسیلہ بنا دیا گیا اس سے معلوم ہوا وسیلہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔

(۳) اس آیت سے وظائف کا جواز بھی ثابت ہوتا ہے اور اللہ کی بارگاہ میں دعا کی اہمیت بھی افشا ہوتی ہے۔

(۴) آیت سے یہ بات واضح ہے کہ اللہ نے کلمات بھی خود سکھائے اور حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ بھی خود قبول کی یعنی اللہ تعالیٰ جس کا کام بنانا چاہئے اس کے لئے وسیلہ بھی خود بنا دیتا ہے۔

(۵) رب تعالیٰ نے خود خطا پر گرفت فرمائی اور خود ہی قبولیت توبہ کے کلمات سکھائے ایسا کیوں ہے؟ اس کا جواب اسی آیت میں موجود ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا اور بہت مہربان ہے۔

(۶) شیطان کو نہ توبہ کی توفیق ملی نہ اسے وسیلہ میسر آیا معلوم ہوا شیاطین اور بدبخت لوگ وسیلے سے محروم ہوتے ہیں۔

بیوقوف لوگ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِیْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ○

آیت کے حوالہ جات

سورت کا نام	البقرۃ
سورت کا نمبر	۲
آیت نمبر	۱۴۲

آیت کا ترجمہ

اب بے وقوف لوگ یہ کہیں گے کہ ان (مسلمانوں) کو اپنے اس قبلہ سے کس نے پھیر دیا جس پر وہ (پہلے) تھے۔ اللہ ہی کے لئے ہے مشرق و مغرب وہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ پر ڈال دیتا ہے۔

نکتہ بیانی

(۱) قبلہ کی تبدیلی اس بات کی آزمائش تھی کہ کس کے دل میں نور ایمان ہے اور کون ہے جو رسول کی ذات کے پیچھے چلتا ہے۔

(۲) بیت اللہ حضور کی خواہش کے مطابق قبلہ بنا۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے خواہش مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فوراً تکمیل کی اور حالت نماز ہی میں قبلہ تبدیل کرنے کا فرمان جاری کر دیا۔ یہ عنداللہ آپ کی محبوبیت کی دلیل ہے۔

(۴) بیت اللہ کی تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جد امجد تھے اس لئے آپ کے دل میں بیت اللہ کے قبلہ بننے کی آرزو پیدا ہوئی۔ یہ انسان کی فطرت میں شامل ہے کہ انسان اپنے آباؤ اجداد کے آثار سے محبت رکھتا ہے۔

؎ چاہا دل براہیم کے بنائے گھر کو شاد کرنے کو
اب بنا کے قبلہ رخ ادھر کر کے نماز پڑھنے کو

(۵) اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو جہت قبلہ کی تبدیلی پر معترض تھے، بیوقوف قرار دیا۔ عقل کی خامی دو طرح کی ہوتی ہے۔

(i) انسان کی عقل ہو لیکن مستعمل نہ ہو اسے پاگل پن کہتے ہیں۔

(ii) عقل مستعمل ہو اور حرکات خلاف عقل ہوں اسے بیوقوفی کہتے ہیں۔

قبلہ کی تبدیلی رسول کی خواہش تھی جسے تائید ربانی حاصل ہوئی لہٰذا جو لوگ نبی کے فعل پر معترض ہوں وہ شعور سے محروم اور بیوقوف لوگ ہیں۔

(۶) ان بیوقوف لوگوں نے کہا کہ مسلمانوں کو کیا ہوا ہے کہ انہوں نے قبلہ ہی بدل ڈالا وہ یہ نہیں سوچتے تھے کہ خود انہیں کیا بیماری ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اعتراض ہی کرتے ہیں۔

(۷) مسلمانوں کے لئے اصل توجہ کا مرکز جناب رسالت مآب کی ذات ہے۔

(۸) اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ مشرق و مغرب اسی کے لئے ہیں وہ کسی جہت کا پابند نہیں اصلاً اس کی بندگی مقصود ہے نہ کہ اطراف و اکناف کی پابندی۔

(۹) اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ وہ جسے چاہتا ہے ہدایت کے راستے پر ڈال دیتا ہے اور ہدایت پر وہی ہیں جو نبی کے فیصلے کو دل و جان سے تسلیم کریں اور اس معاملے میں ان کے دل اعتراض سے خالی ہوں۔

(۱۰) ہدایت عقل کا شعور ہے جبکہ گمراہی عقل کا فتور ہے۔

؎ عقل سے آگے گزر جا کہ یہ نور
چراغ راہ ہے منزل نہیں ہے

ذکر الٰہی کا صلہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ وَاشْکُرُوْا لِیْ وَلَا تَکْفُرُوْنِ۝

آیت کے حوالہ جات

سورت کا نام	البقرہ
سورت کا نمبر	۲
آیت نمبر	۱۵۲

آیت کا ترجمہ

پس تم مجھے یاد کیا کرو میں تمہیں یاد کرونگا اور میرا شکرادا کیا کرو اور میری ناشکری نہ کیا کرو۔

نکتہ بیانی

(۱) ایمان کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر وقت یادرکھا جائے۔

(۲) اپنی فکروتوجہ کو ذات باری تعالیٰ کی طرف مائل رکھنا ذکر کی حقیقی کیفیت ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کا ذکر دل کے لئے باعث راحت وتسکین ہے۔

ع نہ گل میں نہ گلزار میں ہے
دلوں کا چین ذکر پروردگار میں ہے

(۴) تاجدار انبیاء علیہم السلام سے پوچھا گیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب کاموں سے افضل کام کون سا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت ذکر الٰہی سے

زبان کوتر رکھنا (کیمیائے سعادت)

(۵) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ جو شخص جنت کے باغات کی سیر کرنا چاہتا ہے اسے چاہئے کہ اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کرے (کیمیائے سعادت)

؎ جو خلد کی سیر کا ہے تمنائی
خوب کرے وہ ذکر الٰہی

(۶) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے ذکر سے بڑھ کر کسی آدمی کا کوئی عمل عذاب قبر سے زیادہ نجات دلانے والا نہیں (جامع ترمذی)

؎ عذاب قبر سے نجات دلاتا ہے خدا کا ذکر
گور میں بھی راحت پہنچاتا ہے خدا کا ذکر

(۷) طبرانی کی حدیث کے مطابق قیامت کے دن اللہ بعض قوموں کا حشر اس طرح فرمائے گا کہ ان کے چہروں پر نور چمک رہا ہوگا اور وہ موتیوں کے منبروں پر جلوہ افروز ہوں گے۔ وہ انبیاء علیہم السلام اور شہداء میں سے نہیں ہوں گے۔ عرض کیا گیا وہ کون لوگ ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں مختلف جگہوں سے مختلف قبیلوں سے آ کر ایک جگہ جمع ہو کر اللہ کے ذکر میں مصروف ہوں۔

(۸) اللہ تعالیٰ کا ذکر درحقیقت اللہ تعالیٰ کا شکر ہے یعنی

ذکر الٰہی = شکر الٰہی

(۹) آیت میں کمال بات یہ کی گئی ہے کہ جو اللہ کا ذکر کرے اللہ اسکا ذکر فرماتا ہے اور بندے کے لئے اس سے بڑا اور کیا اعزاز ہو سکتا ہے کہ خود رب اس کا ذکر کرے؟

(۱۰) ذکر الٰہی سے بندے کو روحانی طور پر معیت الٰہیہ حاصل ہو جاتی ہے۔

(۱۱) آیت کے دوسرے حصے میں ذکر کے ساتھ شکر ادا کرنے کی بات کی گئی جس سے پتہ چلتا ہے کہ ذکر و شکر لازم و ملزوم ہیں۔

یعنی ذکر شکر ہے اور شکر ذکر ہے۔

(۱۲) ذکر الٰہی سے قرب ربانی حاصل ہوتا ہے اور دل میں خشیت الٰہی پنپتی ہے
جیسا کہ سورہ الانفال میں ارشاد باری ہے:
''بے شک مومن تو وہ ہیں جن پر اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب ان پر اس کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں۔ ان کا ایمان پختہ ہو جاتا ہے اور وہی اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔
(۱۳) ذکر کو جنت کے باغات سے موسوم کیا گیا ہے یعنی ذکر کے حلقے درحقیقت جنت کے باغات ہیں۔ باغات میں اگر ظاہری سکون ہے تو ذکر الٰہی میں باطنی راحت ہے۔
(۱۴) اللہ تعالیٰ نے اس بات کو بھی واضح فرمایا کہ تم میرا شکر ادا کرو کفر کی روش اختیار نہ کرو۔
شکر تین قسم پر ہے۔
(i) عملی شکر (ii) قولی شکر (iii) قلبی شکر
عملی شکر یہ ہے کہ انسان اللہ کی رضا کے موافق اعمال کرے۔
قولی شکر سے مراد زبان سے بھی شکر ادا کرے۔
قلبی شکر کا مطلب ہے کہ بندہ رب کی طرف سے جو کچھ ملے اس پر مطمئن رہے۔
کفر دو قسم پر ہے۔
(i) حقیقی کفر یعنی اللہ تعالیٰ کے وجود کا انکار اور لوازمات دین کا انکار۔
(ii) فعلی کفر یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو جھٹلانا اور شکر ادا نہ کرنا۔
ذکر الٰہی سے بہت سارے فوائد حاصل ہوتے ہیں، کچھ درج ذیل ہیں۔
(i) ذکر کرنے سے رجوع الی اللہ حاصل ہوتا ہے۔
(ii) ذکر کرنے سے تعلق باللہ مضبوط ہوتا ہے۔
(iii) ذکر کرنے سے شیطانی حرکات سے نجات ملتی ہے۔

(iv) ذکر کرنے سے آخرت کی طرف توجہ جاتی ہے۔

(v) ذکر کرنے سے مادیت پرستی سے نجات ملتی ہے۔

(vi) ذکر کرنے سے سکون قلب حاصل ہوتا ہے۔

(vii) ذکر کرنے سے اعمال صالحہ کی توفیق ملتی ہے۔

(viii) ذکر کرنے سے دل میں نرمی پیدا ہوتی ہے۔

(ix) ذکر کرنے سے قساوت قلبی سے نجات ملتی ہے۔

(x) ذکر کرنے سے بندگی عروج پاتی ہے۔

(xi) ذکر کرنے سے روحانی ارتقاء نصیب ہوتا ہے۔

(xii) ذکر کرنے سے شکر کی توفیق ملتی ہے۔

(xiii) ذکر کرنے سے تقویٰ نصیب ہوتا ہے۔

(xiv) ذکر کرنے سے افکار پاکیزہ ہوتے ہیں۔

(xv) ذکر کرنے سے خدا کی رضا حاصل ہوتی ہے۔

(xvi) ذکر کرنے سے صبر کا نور میسر آتا ہے۔

(xvii) ذکر کرنے سے کئی مصیبتیں دور ہو جاتی ہیں۔

(xviii) ذکر کرنے سے اخلاقیات کا رنگ نصیب ہوتا ہے۔

(xix) ذکر کرنے سے ایمان مضبوط ہوتا ہے۔

(xx) ذکر الٰہی محبت الٰہی کی دلیل ہے جیسا کہ حدیث میں ہے آدمی جس سے محبت کرتا ہے کثرت کے ساتھ اس کا ذکر کرتا ہے۔

صبر وصلوٰۃ اور استعانت

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ ط اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ○

آیت کے حوالہ جات

سورت کا نام	البقرہ
سورت کا نمبر	۲
آیت نمبر	۱۵۳

آیت کا ترجمہ

اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعے سے مدد چاہو یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

نکتہ بیانی

(۱) اللہ تعالیٰ نے صبر وصلوٰۃ کے لئے ایمان والوں سے خطاب کیا۔ ایمان پر قائم رہنا اور اس میں استقامت کا ہونا ایک صبر آزما عمل ہے کیونکہ شیطان اس راستے سے ہٹانے کی بھرپور کوشش کرتا ہے۔

ع ہر گام پے واسطہ پڑتا ہے شیطان کے ساتھ
زندگی دشوار ہو گئی ہے ایمان کے ساتھ

اس لئے ایمان کے لوازمات پر قائم رہنا ہو تو صبر کا عمل ضرور ہوگا یہی وجہ ہے کہ قرآن اہل ایمان سے ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرنے کا حکم دیتا ہے اور اللہ نے صبر

کرنے والوں کے لئے بغیر حساب اجر رکھا ہے۔استعانت طلب کرنے کے معاملے میں صبر کو صلوٰۃ سے پہلے ذکر کیا گیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ نماز اہل صبر ہی کا کام ہے۔

(۲) صبر صرف برداشت کرنے کا نام ہی نہیں بلکہ اس کو وسیع تر معنی میں لیا جائے تو اس سے مراد معاشرتی پیش آمدہ مشکلات کے ساتھ ساتھ اپنی نفسانی خواہشات کو کنٹرول کرنا بھی ہے لہٰذا صبر دو طرح کا ہے۔

(i) بیرونی صبر (ظاہری مشکلات کو برداشت کرنا)

(ii) اندرونی صبر (باطنی مشکلات کو برداشت کرنا)

(۳) صبر اور امن کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔جس معاشرے میں صبر ہوگا وہاں امن ہوگا جہاں امن ہوگا وہاں اقتصادی ترقی ہوگی جب اقتصادی ترقی ہوگی تو معاشرے میں خوشحالی ہوگی۔

(۴) صبر کی بدولت معاشرے میں بسنے والے افراد میں آپس میں ہمدردی ہوگی۔ جب ہمدردی ہوگی تو وہ ایک دوسرے کے کام آئیں اس طرح معاشرے میں اخوت کا رنگ پیدا ہوگا۔

(۵) صبر کی حیثیت کا تعین مصیبت کی نوعیت کے موافق ہوگا جتنی بڑی مصیبت پر صبر کیا جائے گا اتنا ہی اجر وثواب زیادہ ہوگا۔

(۶) ابتدائے صدمہ میں صبر کا زیادہ اجر ہوتا ہے۔

(۷) صبر استقامت پر قائم رہنے میں مدد دیتا ہے۔

(۸) صبر انسان میں حوصلہ و ہمت پیدا کرتا ہے۔

(۹) صبر کرنے سے اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہوتی ہے جیسا کہ ارشاد ہے کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

(۱۰) جو صبر کرتا ہے اسے صابر کہتے ہیں۔صبر کا فعل صابر سے واقع ہوتا ہے اگر

فاعل نہ ہو تو فعل واقع نہیں ہو سکتا چنانچہ اگر صبر استعانت الٰہی کا وسیلہ بنتا ہے تو صبر کرنے والا زاہد و عابد وسیلہ کیوں نہیں بن سکتا؟

(۱۱) آیت میں دو چیزوں کو استعانت کا سبب ٹھہرایا گیا ہے صبر اور صلوٰۃ یعنی

صبر+صلوٰۃ=استعانت

(۱۲) استعانت کی دوسری چیز جو واسطہ بنتی ہے وہ نماز ہے۔ نماز کیسے معاون بنتی ہے اس کا جواب قرآن میں خود موجود ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْہٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَر

بے شک نماز فحش اور برے کاموں سے روکتی ہے۔

یہاں بھی یہ بات قابل توجہ ہے کہ صلوٰۃ اگر واسطہ استعانت بن سکتی ہے تو نمازی وسیلہ استعانت کیوں نہیں بن سکتا؟ نماز فقط ایک مخصوص عبادت کا نام ہی نہیں بلکہ ایک مکمل نظام حیات کی تصویر ہے۔

(۱۳) نماز سے استعانت کی درج ذیل صورتیں ہیں۔

(i) نماز پڑھنے سے دل کو سکون ملتا ہے جو ہماری ذہنی اور جسمانی صحت کا سبب بنتا ہے۔

(ii) جب انسانی ذہنی و قلبی طور پر پرسکون ہو تو اسے غصہ نہیں آتا۔ غصہ لڑائی اور جھگڑے کا سبب بنتا ہے اور معاشرے کا امن تباہ ہو جاتا ہے لہٰذا بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ نماز ہمارے معاشرتی امن کی ضامن ہے۔

(iii) حرص و حوس انسان کو وحشی بنا دیتے ہیں اور وہ ڈاکہ زنی، لوٹ مار اور قتل و غارت سے ذرہ بھی خوف زدہ نہیں ہوتا۔ نماز چونکہ حرص و حوس سے نجات دیتی اور قناعت کی نعمت سے مالا مال کرتی ہے اس لئے نماز معاشرے سے برائیاں دور کرنے میں معاون بنتی ہے۔

(iv) نماز باجماعت میں نمازی ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ ایک دوسرے کے

احوال سے واقف ہوتے ہیں ان میں ایک دوسرے کے لئے ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جس سے اتحاد فروغ پاتا ہے۔ یوں نماز اتحاد پیدا کرنے اور فرقہ واریت وگروہ بندی کے خاتمے کی معاون بنتی ہے۔

(v) نماز اللہ کی رضا کے لئے ادا کی جاتی ہے جیسا کہ فرمایا:

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ

''میرے ذکر کے لئے نماز ادا کرو''۔

اور جب بندہ اللہ کی رضا کا طلبگار بنتا ہے تو اس کے دل میں مخلوق خدا کے لئے رحمت اور نرمی پیدا ہوتی ہے جس کی بنا پر وہ کمزور ومظلوم لوگوں کا سہارا بنتا ہے یعنی نماز انسان کو معاشرے کا ایک مفید فرد بناتی ہے۔

(vi) نماز میں انسان قیام ورکوع اور سجود کرتا ہے اور انسان کے لئے یہ تین حالتیں ہیں کھڑے ہونا' جھکنا اور لیٹنا گویا کہ نماز اس معاملے میں ہماری استعانت کرتی ہے کہ ہم جس حال میں بھی ہوں اللہ تعالیٰ کی بندگی کو ترک نہ کریں۔

(vii) اتحاد واتفاق کسی بھی قوم کی طاقت ہوتا ہے۔ نماز باجماعت میں نمازی ایک امام کے پیچھے کھڑے ہوتے ہیں۔ امام جھکتا ہے تو وہ سب جھکتے ہیں۔ امام کھڑا ہوتا ہے تو وہ سب کھڑے ہو جاتے ہیں اس سے نمازیوں کو اطاعت امیر اور اتحاد کا درس ملتا ہے۔ گویا کہ نماز اتحاد پیدا کرنے میں ہماری مددگار بنتی ہے اور جب معاشرے میں اتحاد ہوگا وہ ملک ومعاشرہ طاقتور ہوگا۔ بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ نماز ہماری قومی طاقت کا سرچشمہ ہے۔

(viii) نسلی وعلاقائی تفاخر اور غریب وامیر کے امتیاز نے ہمیشہ معاشرے کو بگاڑا ہے نماز اس سلسلے میں بھی ہماری معاون ہے اس لئے کہ نماز میں سب ایک رب کے حضور کھڑے ہوتے ہیں اور یوں سارے امتیاز کی نفی ہو جاتی ہے۔

ع ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

(ix) نماز کے لئے طہارت جسمانی وقلبی لازمی ہے۔طہارت جسمانی ہمارے جسم کی صحت میں مدد دیتی ہے کیونکہ پاک صاف رہنے والا شخص بہت ساری بیماریوں سے بچا رہتا ہے۔نماز جسمانی ورزش بھی ہے جس سے جسم چاق وچوبند رہتا ہے۔جب جسم چاق و چوبند ہوگا تو انسان اپنی ذمہ داریاں تندہی سے نبھائے گا یوں نماز ہمارے معاملات میں ہماری مدد کرتی ہے۔

قلبی طہارت صفائے قلب ہے۔دل نماز کی بدولت تعصب غیبت بغض وعناد وغیرہ سے پاک ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے انسانوں کے مابین نفرت جنم نہیں لیتی بلکہ محبت بھرا ماحول قائم ہوتا ہے۔اس طرح نماز ہمارے اخلاقی نظام کی صحت میں بھی معاون ہے۔

(x) نماز جہاں ہمارا اللہ سے تعلق مضبوط کرتی ہے وہاں رسول اکرم ﷺ سے بھی ہمارا رشتہ مضبوط بناتی ہے۔اس کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ انسان کو قرب رسالت ملتا ہے اور وہ آپ ﷺ کی سنتوں پر عمل کرتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ کوئی شخص آپ ﷺ کی سنتوں پر صحیح معنی میں عمل کرے اور وہ معاشرے کا مفید فرد نہ ہو۔اس لئے نماز بالواسطہ طور پر ہمیں معاشرے کا مفید فرد بننے میں مدد دیتی ہے۔

ع ملتی ہے استعانت خدا کی نماز سے
پختہ و مضبوط ہوتی ہے بندگی نماز سے

مقامِ شہادت

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللہِ اَمْوَاتٌ ط بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ○

آیت کے حوالہ جات

سورت کا نام	البقرہ
سورت کا نمبر	۲
آیت نمبر	۱۵۴

آیت کا ترجمہ

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں شعور نہیں۔

نکتہ بیانی

(۱) زندگی یا جان ہر انسان کو عزیز ہوتی ہے کیونکہ دنیاوی لذات اسی زندگی کے ہونے سے وابستہ ہیں اور جو شخص اپنی زندگی جیسی قیمتی متاع کو راہ خدا پر لٹا دیتا ہے وہ اس لائق ہے کہ اسے اس کا عظیم بدلہ دیا جائے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ میں قتل ہونیوالے کو مردہ کہنے سے منع فرما دیا حالانکہ موت سب کو آنی ہے۔ ارشاد ہے:

کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ

''ہر ذی روح نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے''۔

اس حقیقت کے باوجود کہ شہید کو بھی موت آتی ہے مگر اسے مردہ کہنے سے منع کر دیا گیا ہے۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ حالانکہ ظاہراً مقتول فی سبیل اللہ میں تمام مردہ کی خوبیاں ہوتی ہیں نہ وہ ہمارے ساتھ چل سکتا ہے نہ بول سکتا نہ حرکت کر سکتا ہے۔ اللہ نے اسے مردہ کہنے سے اس لئے منع کر دیا ہے کہ مردہ کا لفظ اس کے لئے اہانت ہے۔ ہم اگر کسی نکمے اور سست آدمی سے کہیں کہ تو تو مردہ ہے کچھ کام نہیں کر سکتا تو ہمارے اس کہنے میں اس کی مذمت تحقیر ہوگی نہ کہ اس کی تعریف۔ اس لئے اللہ نے شہید کو مردہ کہنے سے منع کر دیا کیونکہ اس لفظ میں شہید کے مقام شہادت کی تحقیر ہے۔

(۳) جب شہید کو مردہ کہنا جائز نہیں تو پھر انبیاء علیہم السلام جن کا مقام شہداء سے بلند ہے وہ کیسے مردہ ہو سکتے ہیں کیونکہ اللہ کے انعام یافتہ بندوں میں پہلے نمبر پر انبیاء علیہم السلام آتے ہیں جیسا کہ قرآن میں ارشاد ربانی ہے۔

اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيۡقِيۡنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيۡنَ ۚ

''اللہ نے انعام کیا نبیوں پر صدیقین پر شہداء پر اور صالحین پر''

جو تیسرا انعام یافتہ ہے وہ تو زندہ شمار کیا جائے اور اسے مردہ نہ کہا جائے تو جو پہلے نمبر پر ہیں انہیں کیسے مردہ کہنا روا ہوگا؟

(۴) دماغ انسان گمان کرتا اور سوچتا ہے جبکہ زبان سے کہتا ہے تو کیا شہید کو مردہ نہ کہا جائے اور مردہ گمان کیا جا سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے شہداء کو مردہ گمان کرنے سے بھی منع فرما دیا چنانچہ فرمایا:

وَلَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ قُتِلُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَمۡوَاتًا

''اور جو لوگ اللہ کے راستے میں مارے جائیں مردہ گمان بھی نہ کرو''۔

یعنی تمہارے ذہن میں بھی یہ بات نہیں ہونی چاہئے کہ شہید مردہ ہیں۔ گویا شہید کو مردہ کہنا اور مردہ گمان کرنا دونوں منع ہیں اور بطریق اولیٰ انبیاء علیہم السلام کو مردہ کہنا یا گمان کرنا بھی منع ہے۔

(۵) اللہ رب العزت نے واضح کر دیا کہ وہ زندہ ہیں۔ وہ کیسے زندہ ہیں ان کی زندگی کی کیا کیفیت ہے؟ اس حوالے سے قرآن نے صراحت کر دی کہ ان کی زندگی تمہارے شعور سے بالاتر ہے۔ تمہارا شعور ان کی زندگی کا ادراک نہیں کر سکتا لہٰذا اپنی عقل وشعور کے ساتھ ان کی ظاہری علامات موت کو دیکھ کر انہیں مردہ نہ کہو اور نہ ہی مردہ سمجھو بلکہ شعور وادراک کی حدود سے بالاتر ہو کر انہیں زندہ گردانو وہ نہ ہی فقط زندہ ہیں بلکہ انہیں رزق بھی دیا جاتا ہے۔

(۶) انبیاء علیہم السلام کا مقام و مرتبہ شہداء سے بڑھ کر ہے لہٰذا بدرجہ اولیٰ انہیں زندہ مانو۔

(۷) زندہ شخص سنتا بھی ہے بولتا بھی ہے دیکھتا بھی ہے چلتا بھی ہے چنانچہ روحانی طور پر حضور جہاں چاہیں جلوہ گر ہو سکتے ہیں۔ آپ درود وسلام سنتے بھی ہیں اس کا جواب بھی دیتے ہیں۔

اہل ایمان کی آزمائش کے مراحل

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ○ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ قف وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ○

آیت کے حوالہ جات

سورت کا نام	البقرہ
سورت کا نمبر	۲
آیت نمبر	۱۵۵تا۱۵۷

آیات کا ترجمہ

اور ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے کچھ خوف اور بھوک سے اور کچھ مالوں اور جانوں اور پھلوں (اولاد) کے نقصان سے آپ صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیں۔ جن پر جب مصیبت پڑتی ہے تو کہتے ہیں ہم اللہ ہی کے لئے (زندہ) ہیں اور ہمیں اسی کی طرف پلٹنا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے نوازشات اور رحمت ہے اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

نکتہ بیانی

(ا) درج بالا آیت میں اہل ایمان کے لئے امتحان اور آزمائش کے مختلف مراحل بیان کئے گئے ہیں۔

(۲) آزمائش کا پہلا مرحلہ خوف ہے۔ خوف کیسے آزمائش ہے؟ واضح رہے کہ یہاں خوف سے مراد غیر اللہ کا خوف ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بندے سے یہ امتحان لیتا ہے کہ آیا بندہ خوف خدا سے دل کو سرشار رکھتا ہے یا پھر اس کے دل میں اہل دنیا کا خوف ہے اور وہ خوف خداوندی پر خوف دنیا کو ترجیح دیتا ہے؟

اہل ایمان کے لئے ایک خوف مطلوب ومقصود ہے اور ایک کا مفقود ہونا ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کے بندوں میں کسی کا خوف نہیں ہوتا سوائے خوف خدا کے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی:

لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ

''نہ انہیں خوف ہے اور نہ ہی غم''

(۴) دنیا کے خوف سے دل میں بزدلی اور کمزوری پیدا ہوتی ہے اور انسانی جرأت ختم ہو جاتی ہے۔ اس طرح جب بندہ بزدل بن جاتا ہے تو وہ حق کی خاطر کھڑا نہیں ہو سکتا۔ اس طرح وہ ایمانی طور پر بھی کمزور ہو جاتا ہے صرف برائی کو محسوس کر سکتا ہے اس کا سد باب نہیں کر سکتا اور یہ کمزوری ایمان کی نشانی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جب تم کسی برائی کو دیکھو تو اسے ہاتھ سے روکو اگر ہاتھ سے نہیں روک سکتے تو زبان سے روکو۔ اگر یہ بھی نہیں کر سکتے تو اسے دل سے برا جانو اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

(۵) جو انسان دل میں خوف خدا رکھتا ہے اس کی جلوت وخلوت میں یکساں حالت ہوتی ہے نہ تو وہ کسی حکمران سے مرعوب ہوتا ہے اور نہ ہی معاشرے سے ایسے حق گو کی زندگی جہاد ہوتی ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: جابر حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنا جہاد ہے۔

(۶) اللہ کے بندے ملامت کرنے والوں کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ ایمان وہ طاقت ہے جو دل سے خوف غیر اللہ کو نکال کر خوف خدا سے دل کو جرأت مند بنا دیتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اگر عام لوگوں میں کلمہ حق کی بات کی تو نمرود جیسے جابر حکمران کے

آگے بھی بلا کسی خوف کہ اظہار حق کیا اور انجام سے بے خوف رہے۔ آگ میں ڈال دیئے گئے لیکن تمسک بالحق قائم رہا۔

ع بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

ع دل مومن میں خوف خدا ہے کسی اور کا ڈر نہیں
پیکر جرأت ہیں یہی لوگ کسی اور کا خطر نہیں

میدان کربلا میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی آزمائش تھی کہ کیا وہ یزید سے خوفزدہ ہو کر اس کے ہاتھ میں ہاتھ دیتے ہیں یا خوف خدا کے سبب اپنا سر قربان کرتے ہیں۔

ع اللہ والے نہیں ہوتے دنیا والوں کے سائے میں
وہ اپنی جان دے دیتے ہیں تلواروں کے سائے میں

(۷) خوف کی مختلف صورتیں ہیں جیسے

(i) جان کا خوف
(ii) مال تلف ہونے کا خوف
(iii) تجارت کے نقصان کا خوف
(iv) کسی آنیوالی آزمائش کا خوف
(v) معاشرے کا خوف
(vi) عزت جانے کا خوف

(۸) دوسری آزمائش بھوک کی ہے۔ ہر انسان چاہتا ہے کہ وہ اچھے سے اچھا کھائے۔ بعض اوقات اسے قحط پڑ جانے پر بھوک کا خوف ہوتا ہے کہ کہیں وہ بھوک سے مر نہ جائے۔ اللہ تعالیٰ بندے کو آزماتا ہے اور بعض اوقات اس کا رزق تنگ کر دیا جاتا

ہے اور پرکھا جاتا ہے کہ آیا وہ اس حالت میں بھی اللہ کا شکر گزار رہتا ہے یا پھر ناشکری کرتا ہے۔

(۹) بندے کے لئے بھوک کا خوف اللہ پر توکل نہ ہونے کی بنا پر ہوتا ہے اور یوں وہ رب سے مایوس اور ناامید ہو جاتا ہے جس کے دل میں نور ایمان پوری طرح جلوہ گر ہوتا ہے۔ وہ بندہ بھوک اور پیاس کی حالت میں بھی رب کا شاکر رہتا ہے۔

(۱۰) صحابہ کرام پر اور خود رسالت مآب پر ایسا وقت آیا جب کھانے کے لئے کچھ بھی نہ تھا۔ ایک موقع پر تو آپ اور آپ کے صحابہ نے بھوک کے سبب پیٹ پر پتھر باندھ رکھے تھے لیکن ان کی عبدیت اس وقت بھی کامل تھی کسی نے شکایت نہ کی۔

(۱۱) رزق میں کمی بیشی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کے لئے طے شدہ ہوتی ہے۔ بندے کو چاہئے کہ ہر حال میں خدا کا شکر ادا کرے اور اس کی ذات پر توکل کرے اور یہی بندگی کا کمال ہے۔

(۱۲) تیسری آزمائش مال کی ہے۔ مال و دولت کی محبت انسان کی فطرت میں شامل ہے اور وہ اپنے مال کو ضائع نہیں کرنے دیتا۔

(۱۳) مال کے سلسلے میں یہ آزمانہ مقصود ہوتا ہے کہ آیا بندہ اپنے مال کو اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہے یا نہیں؟ اور اگر کسی وجہ سے اس کا مال تلف ہو جائے تو کیا وہ شکر و حمد کا راستہ چھوڑ کر شکایت و ناشکری کی طرف آتا ہے یا پھر خدا کی ذات سے مطمئن رہتا ہے۔

(۱۴) انفاق فی سبیل اللہ بالخصوص زکوٰۃ کے معاملے میں یہ آزمائش ہے کہ کیا بندہ خدا کے دیئے گئے رزق میں سے اس کے راستے میں خرچ کرتا ہے یا پھر مال و دولت کی کمی کے خوف سے کچھ بھی نہیں خرچ کر پایا یعنی بندہ مال کو عزیز رکھتا ہے یا کہ راہ اللہ میں خرچ کرنے کے جذبے کو؟

(۱۵) چوتھی آزمائش جان کی ہے اور یہ بہت بڑی آزمائش ہے۔ ہر انسان اپنی

جان کو عزیز رکھتا ہے اسے کوئی بھی تکلیف پہنچے تو فوراً اس کا علاج کرتا ہے۔

(۱۶) اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو آزماتا ہے کہ کیا اسے اپنی جان رب کی راہ سے زیادہ پیاری ہے یا پھر وہ اپنے دل میں راہ اللہ جان قربان کرنے کا جذبہ رکھتا ہے۔ حق اور باطل کی جنگ میں بندہ چھپ کر گھر بیٹھ جائے اور جہاد سے کترائے تو یہ بندگی نہیں ہے۔

(۱۷) پانچویں آزمائش پھلوں یعنی فصلوں اور زرعی اجناس سے ہے۔ ثمرات سے مراد اولاد بھی لی جاسکتی ہے کیونکہ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے بچوں کے بارے میں فرمایا: ''یہ اللہ کی خوشبودار فصل ہیں دل کو بزدل کر دیتے ہیں''۔

(۱۸) فصلیں اور ثمرات اگانے والا اللہ تعالیٰ ہے کبھی کسان کے لئے فصلیں پریشانی کا باعث بن جاتی ہیں جیسے آندھی طوفان اور سیلاب سے فصلیں تباہ ہو کر رہ جاتی ہیں یوں کسان کے لئے آزمائش ہوتی ہے کہ اس حال میں اس کے دل کا کیا حال ہے؟ آیا وہ رب کی طرف سے مطمئن ہے یا کہ شکایت پر اتر آیا ہے؟

(۱۹) چونکہ فصلوں اور زرعی اجناس پر بھی زکوٰۃ فرض ہے تو یہ بھی آزمائش ہے کہ کیا فصلیں حاصل کرنیوالے اور اگانے والے اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرتے ہیں یا نہیں۔

(۲۰) اگر ثمرات سے مراد اولاد ہو تو یہ امتحان ہے کہ کہیں اولاد اللہ کی راہ پر چلنے میں حائل تو نہیں اور اولاد کی محبت، محبت الٰہی پر غالب تو نہیں آ گئی۔

(۲۱) آیات میں پانچ امتحانوں کا ذکر ہے۔

(i) خوف سے آزمائش

(ii) بھوک سے آزمائش

(iii) مال کی کمی بیشی سے آزمائش

(iv) جان جانے کی آزمائش

(v) ثمرات کی آزمائش

ان میں سے بعض لوگوں پر ایک دو آزمائشیں آتی ہیں بعض پر تین چار اور بعض پر پانچوں۔

(۲۲) ان آزمائشوں کے دو طرح نتائج ہو سکتے ہیں صبر یا بے صبری تو صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنادی گئی ہے امتحان بھی بتادیا نتائج بھی بتادیئے۔

(۲۳) جب صبر کا مادہ رکھنے والوں پر مندرجہ بالا آزمائشوں میں سے کوئی آزمائش آتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ایک بار پھر یہ اعلان کرتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور ہم نے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے لوٹنے کا اعتقاد اس بات کی بھی علامت ہے کہ وہ لوگ یہ یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہی ہمیں دنیا میں بھیجا ہے لہٰذا جب وہ چاہے گا ہم اس کی طرف پلٹ جائیں گے۔

(۲۴) جو صاحبان ایمان پیش آمدہ مصائب اور آزمائشوں پر صبر کرتے ہیں اور اپنے ہر دکھ اور غم پر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں نوازشات اور رحمت نصیب ہوتی ہے یعنی

اللہ کی نوازشیں + رحمت الٰہی   نتیجہ: صبر

(۲۵) ہدایت پر ہونا اللہ کا احسان ہے اور اللہ تعالیٰ نے آزمائش پر صبر کرنے والوں کو ہدایت کا مژدہ سنادیا اور فرمایا: یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

(۲۶) جب کبھی یہ جائزہ لینا ہو کہ کون ہدایت پر ہے تو اس کی زندگی کا مشاہدہ کیا جائے کہ آیا اس نے مصائب میں اللہ تعالیٰ سے رجوع کیا اور صبر کا دامن تھاما اگر ایسا نہیں تو وہ ہدایت پر نہیں اور جو ہدایت پر نہیں اسے بندگی اور تقویٰ کی دولت نہیں مل سکتی۔

ع عرصہ ایام الم میں ہے جو میرا سہارا
کوئی اور نہیں وہ دوست میرا اللہ ہے

اللہ کے بندے نبی کے سائل

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَ اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیۡ عَنِّیۡ فَاِنِّیۡ قَرِیۡبٌ ؕ اُجِیۡبُ دَعۡوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلۡیَسۡتَجِیۡبُوۡا لِیۡ وَلۡیُؤۡمِنُوۡا بِیۡ لَعَلَّہُمۡ یَرۡشُدُوۡنَ ○

آیت کے حوالہ جات

سورت کا نام	البقرہ
سورت کا نمبر	۲
آیت نمبر	۱۸۶

آیت کا ترجمہ

اور جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں تو میں قریب ہوں۔ میں پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں پس انہیں چاہئے کہ میری فرمانبرداری کریں اور مجھ پر پختہ یقین رکھیں تا کہ وہ راہ ہدایت پالیں۔

نکتہ بیانی

(۱) درج بالا آیات میں درج ذیل باتیں قابل توجہ ہیں۔

(i) اللہ تعالیٰ کی بابت سوال کرنا

(ii) اللہ تعالیٰ کی بابت سوال حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم سے کرنا

(iii) اللہ تعالیٰ کا پکارنے والے کی پکار کو سننا

(iv) اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا حکم

(v) اللہ تعالیٰ کی ذات پر پختہ یقین

(vi) نوید ہدایت

(۲) اللہ تعالیٰ کے بارے میں حضور سے کس طرح کا سوال کیا جائے۔ سوال کی نوعیت نہیں بتائی گئی تاہم سیاق وسباق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں دعا مراد ہے کیونکہ درج ذیل مراتب ہیں۔

(i) سوال اگر اللہ سے ہو تو اسے دعا کہتے ہیں۔

(ii) سوال اگر اپنے سے بڑے کسی بزرگ ہستی سے ہو تو اس سوال کو عرض کرنے کے معنی میں لیا جائے گا۔

(iii) سوال اگر اپنے ہم مرتبہ سے ہو تو اسے درخواست کے نام سے موسوم کیا جائے گا اسے گزارش بھی کہتے ہیں۔

(iv) سوال اگر اپنے ماتحت سے ہو تو اسے حکم کے معنی میں لیا جائے گا۔

(۳) اللہ تعالیٰ سے دعا کیوں کی جاتی ہے۔ دعا میں ہم اللہ تعالیٰ سے کچھ نہ کچھ مانگتے اور سوال کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر اپنی ضرورت اس کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو ہماری ضروریات کا علم ہے اگر ہم کسی انسان سے سوال کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ انسان ہماری ضرورت سے آگاہ اور واقف نہیں لہٰذا ہم اپنی غرض وغایت اس کے علم میں لانے کے لئے اس سے سوال کرتے ہیں لیکن جو کچھ ہماری ضرورت ہے اور جو کچھ ہمارے اردوں اور دل میں ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اس کے باوجود ہم اس سے دعا مانگتے ہیں۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ دعا مانگتے سے درج ذیل چیزوں کا اظہار ہوتا ہے۔

(i) دعا بذات خود عبادت ہے بلکہ حضور اکرم ﷺ نے دعا کو عبادت کی جان قرار دیا ہے۔

(ii) دعا مانگنا اس بات کی دلیل ہے کہ نفع ونقصان کا مالک صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

(iii) دعا کی قبولیت اس کی مرضی ورضا پر موقف ہے۔

(iv) دعا اس بات کی دلیل ہے کہ تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں اور حقیقی داتا اسی کی ذات باقی تمام تر وسیلے ہیں۔

(v) دعا عاجزی کی علامت ہے اور بندگی کی پہچان

(vi) دعا توحید کی دلیل ہے دعا کرنے والا اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین رکھتا ہے اسی لئے تو وہ دعا مانگتا ہے۔

(vii) دعا ایک وسیلہ اور بندے اور خدا کے درمیان رابطہ ہے۔

(viii) دعا آزمائش بھی ہے وہ اس طرح کہ یہ تو دعا قبول ہوگی یا پھر قبول نہیں ہو کہ اگر دعا قبول نہیں ہوگی تو بندے کے لئے یہ آزمائش ہے کہ کیا وہ اپنی خواہش پوری نہ ہونے پر خدا سے شکایت کرتا ہے یا پھر یہ اعتقاد رکھتے ہوئے کہ میرا رب بہتر جانتا ہے کہ میری خواہش کا پورا نہ ہونا میرے حق میں بہتر ہے اور وہ اس پر صبر کرتا ہے یا دعا قبول ہونے کی صورت میں رب تعالیٰ کا شاکر بندہ بن کر اجر کماتا ہے چنانچہ دعا کے دو نتائج سامنے آتے ہیں۔

(i) قبول ہونے کی صورت میں شکر ادا کرنا اور اجر کمانا۔

(ii) قبول نہ ہونے کی صورت میں صبر کر کے اجر کماتا ہے۔

(۴) دعا کو عبادت کی جان قرار دیا گیا چونکہ عبادت اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء ہے اور دعا اس بات کی دلیل ہے کہ ساری کائنات اور سارے خزانوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اور نظام رزق اور اس کی تقسیم بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔

(۵) دعا جہاں تعلق باللہ کی علامت ہے وہاں یہ ربط رسالت کا بھی ذریعہ ہے کیونکہ دعا اس وقت تک زمین وآسمان کے مابین معلق رہتی ہے جب تک حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی ذات پر درود نہ پڑھا جائے۔

(۶) جب دعا جیسی اہم عبادت واسطہ رسالت کے بغیر قبول نہیں ہوتی تو پھر دیگر

عبادات واسطہ رسالت کے بنا کیسے قبول ہو سکتی ہیں؟

(۷) اللہ تعالیٰ کی پہچان رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے ذریعے اور وسیلے سے ہے چنانچہ وہ توحید رد کر دی جائے گی جس میں سے عقیدہ رسالت کو نکال دیا جائے۔

(۸) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں۔ رب نے کسی وقت کا تعین نہیں کیا کہ اس وقت جواب دیتا ہو اور فلاں وقت جواب نہیں دیتا لہٰذا دعا کے لئے وقت کی کوئی قید نہیں ہے جب چاہیں دعا کریں اور جتنی چاہیں دعا کریں۔

(۹) اللہ تعالیٰ نے بالخصوص دعا مانگنے والوں کو اپنی فرماداری کا حکم دیا ہے اور اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ فرمانبرداری دعا کی قبولیت کا سبب ہو سکتی ہے۔

(۱۰) آگے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر پختہ یقین کی بات کی ہے دعا کے لئے خاص کر یقین کا ہونا لازمی ہے۔

(۱۱) اگلے حصے میں ہدایت کی بات کی گئی ہے ہدایت پانے کے لئے اللہ پر پختہ یقین اور اس کی بارگاہ میں دعا گو ہونا لازمی ہے۔ نیز دعا عبادت کی جان ہے لہٰذا عبادت کو لازمی اپنایا جائے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور احیائے موتی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰھٖمُ رَبِّ اَرِنِیۡ کَیۡفَ تُحۡیِ الۡمَوۡتٰی ؕ قَالَ اَوَلَمۡ تُؤۡمِنۡ ؕ قَالَ بَلٰی وَلٰکِنۡ لِّیَطۡمَئِنَّ قَلۡبِیۡ ؕ قَالَ فَخُذۡ اَرۡبَعَۃً مِّنَ الطَّیۡرِ فَصُرۡھُنَّ اِلَیۡکَ ثُمَّ اجۡعَلۡ عَلٰی کُلِّ جَبَلٍ مِّنۡھُنَّ جُزۡءًا ثُمَّ ادۡعُھُنَّ یَاۡتِیۡنَکَ سَعۡیًا ؕ وَاعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰہَ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ ٥

آیت کے حوالہ جات

سورت کا نام	البقرہ
سورت کا نمبر	۲
آیت نمبر	۲۶۰

آیت کا ترجمہ

جب عرض کی ابراہیم علیہ السلام نے اے میرے رب مجھے دکھا دے تو کیسے مردے جلائے گا، فرمایا: کیا تجھے یقین نہیں۔ عرض کی: مجھے یقین کیوں نہیں مگر یہ چاہتا ہوں کہ میرے دل کو قرار آ جائے۔ فرمایا: چار پرندے لے کر اپنے ساتھ مانوس کر لے پھر ان کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دے پھر انہیں بلا وہ تیرے پاس چلے آئیں گے دوڑتے ہوئے اور (اس مشاہدہ سے بھی) جان لے کہ اللہ غالب حکمت والا ہے۔

نکتہ بیانی

(۱) حضرت ابراہیم نے جب بارگاہ رب العزت میں عرض کی کہ تو کیسے مردے جلائے گا؟ تو اللہ رب العزت نے فرمایا: کیا تمہیں یقین نہیں ابراہیم علیہ السلام کے سوال پر اللہ

تعالیٰ کا سوال کرنا اس لئے تھا کہ خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے اس بات کی تصدیق ہو جائے کہ یہ سوال بے یقینی کی وجہ سے نہیں تھا جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: قال بلی کیوں نہیں اے باری تعالیٰ میرا ایمان ہے کہ تو مردوں کو زندہ کر سکتا ہے مجھے اپنے دل کی تسکین مطلوب ہے۔ عام طور پر سوال درج ذیل وجوہات کی بناء پر کیا جاتا ہے۔

(i) اپنے علم و معلومات میں اضافے کے لئے

(ii) اپنے علم کی تسلی کے لئے یعنی ازالہ تشکیک

(iii) کسی کا امتحان لینے کے لئے

(iv) محض پریشان اور معاملہ الجھانے کے لئے

(v) کسی معلوم چیز کے مشاہدے کے لئے

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا اس حقیقت کا مشاہدہ کرنا تھا جو روز قیامت رونما ہوتی تھی اور مشاہدے میں بھی ایک خاص لذت ہوتی۔ موجودہ دور میں کرکٹ کے کھیل سے اس کی مثال دی جا سکتی ہے۔ اگر کسی شخص کو معلوم ہو کہ کرکٹ کھیلی جا رہی ہے اتنے رنز ہیں اتنے اوٹ ہیں۔ اب فلاں کھیل رہا ہے اسے معلومات تو حاصل ہو جائیں گی لیکن اگر وہ اس کرکٹ میچ کو اپنی آنکھوں سے دیکھے تو وہ معلومات کے ساتھ ساتھ لطف اندوز بھی ہوگا۔

(۲) اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ فرمائے گا۔ یہ علم ہے جس کا ایمان کے ساتھ تعلق ہے۔ روز قیامت مردوں کو زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کی قدرت کی دلیل ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اسی قدرت کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرنا چاہتے تھے اور ان کے زعم میں اس قدرت کے مشاہدے سے دل کی تسکین مطلوب تھی۔

(۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ چار پرندے لے کر انہیں اپنے ساتھ مانوس کریں پھر انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہر پہاڑ پر ڈال دیں اور پھر انہیں آواز دیں وہ دوڑتے ہوئے تیرے پاس آئیں گے۔

پرندوں کو مانوس کرنے میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قلبی طور پر منسلک ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی محبت ان کے دل میں جاگزیں ہو جاتی ہے وہ ہر مشکل اور ہر درد والم کے باوجود اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ جیسا کہ ابراہیم کے مانوس پرندے ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں کاٹے گئے لیکن جب آپ نے آواز دی تو آپ ہی کی طرف دوڑتے ہوئے آئے اُڑے نہیں۔

(۴) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب پرندوں کو بلایا تو وہ اڑ کر نہیں بلکہ قدموں کے بل آپ کی طرف آئے اس سے مقصود نبی کا ادب تھا۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا کہ تم انہیں بلاؤ تو ابراہیم علیہ السلام نے یہ عرض نہیں کی کہ یا اللہ وہ مر چکے وہ میری آواز کیسے سنیں گے؟ اس سے ابراہیم علیہ السلام کا عقیدہ بھی واضح ہو گیا کہ مردے زندہ کی بات اللہ کے اذن سے سنتے ہیں۔

(۶) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کا گوشت ہر پہاڑ پر ڈال دیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے یہ تو سہل نہ تھا کہ وہ تمام پہاڑوں پر گوشت ڈالتے لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ واضح کر دیا کہ اگر آپ دنیا کے تمام پہاڑوں پر بھی گوشت ڈال دیں تب بھی اللہ تعالیٰ اسے یکجا فرمائے گا۔

(۷) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف مردہ کے زندہ ہونے کا مشاہدہ طلب کیا وہ ایک پرندے کے ذبح کرنے سے بھی پورا ہوتا تھا۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے چار پرندوں کو ذبح کرنے کا حکم دیا۔ کیونکہ ایک پرندے کے گوشت کو یکجا کرنے کی نسبت چار پرندوں کا گوشت جو آپس میں ملا دیا گیا تھا انہیں الگ الگ کر کے زندہ کرنا یہ اور ہی زیادہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی تھی۔

(۸) جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پرندوں کو اپنی طرف بلایا تو وہ دوڑ کر آپ کے پاس ہی آئے حالانکہ ان کے ٹکڑے ٹکڑے بھی آپ نے کئے تھے لیکن اس سے قبل ان پرندوں کے دل میں اپنی محبت پیدا کی اور انہیں اپنے ساتھ مانوس کیا۔ محبت محبوب کی

طرف کھینچ لاتی ہے خواہ محبوب کیسا ہی سلوک کیوں نہ کرے۔

ع جب سے ہوا محبوب میں شیدا تیرا
مر کے بھی رہا تیرا نہ چھوڑا دروازہ تیرا

(۹) جو لوگ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں وہ ہر تکلیف و مصیبت پر یہی کہتے ہیں اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور ہم نے اسی ہی کی طرف لوٹ جانا ہے۔

(۱۰) اللہ تعالیٰ نے مشاہدہ کروانے کے بعد ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا: جان لے کہ اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ غالب سے مراد ہے کہ ہر چیز اس کے دست قدرت اور اختیار میں ہے۔ اور حکمت سے یہاں مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو زندہ کرنے کا فیصلہ روز قیامت پر موقوف کیا ہے یہ اس کی حکمت ہے۔ واللہ اعلم

بندے اور مولا کے مابین محبت کا واسطہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ وَیَغۡفِرۡلَکُمۡ ذُنُوۡبَکُمۡ ؕ وَاللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ۝

آیت کا حوالہ جات

سورت کا نام	آل عمران
سورت کا نمبر	۳
آیت نمبر	۳۱

آیت کا ترجمہ

آپ فرما دیں اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے لئے تمہارے گناہ معاف فرما دے گا اور اللہ نہایت بخشنے والا مہربان ہے۔

نکتہ بیانی

(ا) اللہ سے محبت کرنا بندے اور بندگی و ایمان کا تقاضا ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے:

وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ

''اور جو ایمان والے ہیں اللہ سے شدید محبت کرتے ہیں''۔

محبت عام طور پر دیکھنے، سننے اور بلا واسطہ تعلق سے نمو پاتی ہے۔ میں نے نمو کا لفظ اس لئے استعمال کیا ہے کیونکہ محبت کا اصل مادہ حبۃ ہے جس کے معانی بیج کے ہیں جب

محبت کا بیج دل میں جگہ پاتا ہے تو وہ بڑھتے بڑھتے شدید محبت کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور شدید محبت کو عشق بھی کہا جا سکتا ہے یعنی

شدید محبت = عشق

اور شدید محبت وہ ہے جو تمام محبتوں پر غالب آ جائے جب کسی دل سے دوسری تمام محبتیں نکل جائیں اور ایک ہی محبت رہ جائے تو اسے عشق کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے محبت محبت بالغیب ہے محبت عموماً درج ذیل وجوہات کی بنا پر کی جاتی ہے۔

(i) خوبصورتی (ii) اخلاقیات (iii) احسان

(۲) اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت یا اپنے ساتھ محبت کرنے کا اصول اہل ایمان کو بتا دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ رسول اکرم کی اتباع کی جائے۔ جو آپ ﷺ کی اتباع کر رہا ہے گویا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کر رہا ہے۔

بندوں کی اللہ سے محبت = اتباع رسالت

(۳) جیسے ایمان کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کی جائے تو یہ بھی تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت حاصل بھی کی جائے یعنی اللہ کا محبوب بندہ بنا جائے اس کے لئے بھی وہی اصول دہرایا گیا ہے یعنی اتباع رسول

اللہ کی بندوں سے محبت = اتباع رسالت

(۴) خواہ بندے اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا چاہیں یعنی اس کے محبّ بننا چاہیں اور خواہ اس کی محبت حاصل کر کے اس کے محبوب بننا چاہیں دونوں فعلوں میں اتباع رسالت ہی درمیان میں وسیلہ ہے۔ چنانچہ

بندوں کی اللہ سے محبت = اتباع رسول = اللہ کی بندوں سے محبت

(۵) جب اتباع رسالت کے سبب بندہ اللہ سے محبت کرے گا اور اللہ بندے سے محبت کرے گا تو اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ بندے کے مفاد کے پیش نظر اس کے گناہ معاف فرما دے گا اور اس کی شان رحیمی اس بندے کے لئے آشکارا ہو جائے گی۔

(٦) تبیعہ عربی زبان میں بکری کے بچے کو کہتے ہیں اس سے فاتبعونی ہے یعنی میرے لئے ایسے ہو جاؤ جیسے بکری کے لئے بچہ ہوتا ہے۔ چنانچہ بچہ اپنی ماں کے ساتھ اس کے پیچھے پیچھے چلتا ہے اور اسے ماں کے دودھ کی صورت میں خوراک ملتی ہے۔ امتی کو بھی چاہئے کہ وہ نبی کے پیچھے چلے اتباع کرے اور نبی کے وجود سے نور ہدایت کی کرنیں حاصل کرے۔

؎ خدا کا راستہ ہے راستہ رسول کا
بندگی میں لازمی ہے واسطہ رسول کا

حضرت زکریا علیہ السلام اور توسل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ○ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى

آیات کے حوالہ جات

سورت کا نام	آل عمران
سورت کا نمبر	۳
آیت نمبر	۳۸، ۳۷

آیت کا ترجمہ

جب زکریا علیہ السلام عبادت گاہ میں اس کے پاس داخل ہوتے تو وہ اس (مریم) کے پاس کھانے کی چیزیں موجود پاتے۔ انہوں نے پوچھا: اے مریم! یہ چیزیں تمہارے پاس کہاں سے آتی ہیں؟ اس نے کہا یہ اللہ کے پاس سے آتی ہیں۔ بے شک اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔ اسی جگہ زکریا علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی عرض کیا میرے رب مجھے اپنی جناب سے پاکیزہ اولاد عطا فرما بے شک تو ہی دعا کا سننے والا ہے۔ وہ ابھی حجرے میں کھڑے دعا ہی کر رہے تھے کہ انہیں فرشتوں نے آواز دی۔ بے شک اللہ آپ علیہ السلام کو یحییٰ کی بشارت دیتا ہے۔

نکتہ بیانی

(۱) حضرت زکریا علیہ السلام جب حضرت مریم کے حجرے میں داخل ہوتے تو طرح طرح کی کھانے کی چیزیں موجود پاتے۔ آپ علیہ السلام نے حضرت مریم سے آخر کا پوچھ لیا کہ یہ بے موسم پھل کہاں سے آتے ہیں تو حضرت مریم نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتے ہیں ساتھ ہی کہا اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ رزق دینے میں موسموں کا پابند نہیں کیونکہ مختلف پھلوں کے موسم الگ الگ ہیں اور یہ قانون فطرت ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کے لئے خلاف واقع نعمتوں کا ظہور فرما دیتا ہے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت دسمبر کے مہینے میں ہوئی لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی خاطر موسم سرما میں کھجوریں پیدا فرما دیں حالانکہ کھجور کے اگنے کا موسم گرما کا موسم ہے۔

(۲) حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم کے اس حجرے میں جہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق پہنچتا تھا وہیں اللہ تعالیٰ سے حصول اولاد کے لئے دعا کی۔ اس یقین کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ حضرت مریم کو بے موسم پھل دے سکتا ہے تو اگرچہ میں اور میری اہلیہ بوڑھے ہیں' اولاد پیدا ہونے کا یہ وقت نہیں لیکن خدا چاہے تو اس بڑھاپے کے موسم میں بھی اولاد عطا کر سکتا ہے چنانچہ جیسے آپ نے دعا کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشخبری سنا دی گئی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو حضرت یحییٰ سے نوازے گا۔ اس سے توسل بالمقام اولیاء بھی ثابت ہوتا ہے۔

(۳) دعا کی قبولیت اللہ تعالیٰ کی مرضی پر منحصر ہے تاہم درج ذیل وجوہات دعا کی قبولیت میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

(i) جگہ جیسے بیت اللہ میں مانگی گئی دعا

(ii) وقت جیسے فرضوں کے بعد اور رات کے آخری حصہ میں دعا کرنا۔

(iii) شخصیت یعنی کسی اللہ والے سے دعا کروانا۔

(iv) عاجزی و انکساری

(v) مظلوم کی دعا

(vi) وسیلہ یعنی کسی بزرگ و برتر ہستی کے وسیلہ سے دعا کرنا

اوّل الخلق

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ذٰلِكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَيۡبِ نُوۡحِيۡهِ اِلَيۡكَ ؕ وَمَا كُنۡتَ لَدَيۡهِمۡ اِذۡ يُلۡقُوۡنَ اَقۡلَامَهُمۡ اَيُّهُمۡ يَكۡفُلُ مَرۡيَمَ وَمَا كُنۡتَ لَدَيۡهِمۡ اِذۡ يَخۡتَصِمُوۡنَ ۝

آیت کے حوالہ جات

سورت کا نام	آل عمران
سورت کا نمبر	۳
آیت نمبر	۴۴

آیت کا ترجمہ

یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ ﷺ کی طرف وحی فرماتے ہیں حالانکہ آپ (اس وقت) ان کے پاس موجود نہ تھے جب وہ (قرعہ اندازی کے طور پر) اپنے قلم پھینک رہے تھے کہ ان میں سے کون مریم کی کفالت کرے اور نہ آپ اس وقت ان کے پاس تھے جب وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے۔

نکتہ بیانی

(۱) آیت کا پہلا حصہ واضح کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو غیب کی خبروں سے آگاہ فرمایا ہے۔

(۲) یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا علم غیب اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہے یعنی آپ ﷺ کا علم غیب ذاتی نہیں بلکہ عطائی ہے۔

(۳) اچھے اور نیک کام کے لئے قرعہ ڈالنا جائز ہے۔

(۴) قوم کے افراد میں حضرت مریم کی کفالت کا شوق حضرت مریم کی خاندان میں عظمت کی دلیل ہے۔

(۵) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب وہ لوگ (قرعہ اندازی کر رہے تھے) قلم پھینک رہے تھے اور جب وہ اس بات پر جھگڑا کر رہے تھے کہ مریم کی کفالت کون کرے گا تو اس وقت آپ ﷺ ان کے پاس موجود نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ آپ تھے ہی نہیں تھے تو سہی مگر ان کے پاس نہ تھے آپ ﷺ اول الخلق ہیں۔

آپ ﷺ کے ارشاد کے مطابق اس وقت بھی نبی تھے جب آدم علیہ السلام پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔

نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ میں آدم علیہ السلام کی تخلیق سے چودہ ہزار سال پہلے اللہ کے ہاں نور تھا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام سے عمر پوچھنے والی حدیث اور حضرت جابر کی اول ما خلق اللہ نوری بھی اس پر دال ہیں کہ آپ ﷺ اول الخلق ہیں۔

(۶) اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بسا اوقات نیک عمل پر بھی جھگڑا ہوتا ہے جیسے حضرت مریم کی کفالت ایک اچھا عمل تھا اور اس پر جھگڑا ہوا۔ اگر لوگوں کو پہلی صف کے ثواب کا پتہ چل جائے تو وہ بھی آپس میں جھگڑ پڑیں۔
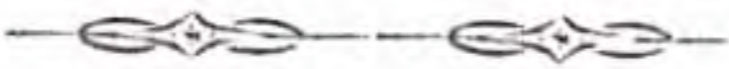
حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰۤى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ○

آیت کے حوالہ جات

سورت کا نام	آل عمران
سورت کا نمبر	۳
آیت نمبر	۵۵

آیت کا ترجمہ

جب اللہ نے فرمایا: اے عیسیٰ علیہ السلام بے شک میں تمہیں پوری عمر تک پہنچانے والا ہوں اور تمہیں اپنی طرف (آسمان پر) اٹھانے والا ہوں اور تمہیں کافروں سے نجات دلانے والا ہوں اور تمہارے پیروکاروں کو کافروں پر قیامت تک برتری دینے والا ہوں پھر تمہیں میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے پس جن باتوں میں تم جھگڑتے تھے میں تمہارے درمیان ان کا فیصلہ کردوں گا۔

نکتہ بیانی

(۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اللہ کا وعدہ اور طے شدہ فیصلہ تھا کہ میں تمہیں پوری عمر تک پہنچاؤں گا اس عمر کی حد کتنی ہوگی اس کی وضاحت نہیں کی گئی چونکہ اللہ تعالیٰ نے جتنی

عمر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقدر میں کر دی تھی اس نے پورا ہونا تھا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف یعنی آسمان پر اٹھالیا۔

(۲) انبیاء علیہم السلام کا شہید ہونا کوئی معیوب بات نہیں ہے۔ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہادت کی خواہش کی اور یہ بھی فرمایا کہ جو شہادت کی تمنا کے بغیر مرے وہ منافق ہے بلاشبہ شہادت ایک عظیم مرتبہ ہے۔ کئی انبیاء علیہم السلام شہید بھی ہوئے لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اٹھالیا۔ حقیقت حال یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبشر تھے اور آپ کے لئے ہی راستہ ہموار کر رہے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اٹھالیا۔ آپ جب دوبارہ دنیا میں آئیں گے تو شریعت محمدیہ کے لئے کام کریں گے۔ ایک نئے نبی کی حیثیت سے نہیں آئیں گے۔ واللہ اعلم۔

(۳) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی نہ ہونے اور آپ کے آسمان اٹھانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آپ علیہ السلام اللہ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے کہ میں اور میرے رسول ہی غالب رہیں گے۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو آسمان پر اٹھا کر دشمنوں سے نجات دی جبکہ اپنے حبیب کو کنکریاں پھینکنے کے عمل سے اندھا کر کے نجات دی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس سے گزر گئے لیکن وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ نہ سکے۔ دشمن غار تک پہنچ گئے لیکن پھر بھی دیکھ نہ سکے۔

(۵) اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دشمنوں سے نجات دے کر یہ نوید بھی سنا دی کہ جو تیرے پیروکار ہوں گے وہ قیامت تک کافروں پر برتر رہیں گے یہاں بھی قرب قیامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا اشارا موجود ہے۔

(۶) بالآخر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور موت ہر نفس کے لئے طے شدہ ہے۔

(۷) دنیا میں سارے حقائق سامنے نہیں آ سکتے اس لئے فیصلوں کو یوم قیامت پر موقوف کیا گیا ہے۔ کس جھگڑے میں کون حق پر تھا اور کون کیسا ہے یہ حقیقت روز قیامت عیاں ہو جائے گی یہاں مجرم کی پہچان مشکل ہی سہی لیکن روز قیامت وہ اپنی پیشانیوں سے پہچانے جائیں گے۔

میثاق انبیاء علیہم السلام اور مسئلہ قیادت

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّ حِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ ط قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ ط قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ط قَالَ فَاشْھَدُوْا وَ اَنَا مَعَکُمْ مِّنَ الشّٰھِدِیْنَ ○ فَمَنْ تَوَلّٰی بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ○

آیت کے حوالہ جات

سورت کا نام	آل عمران
سورت کا نمبر	۳
آیت نمبر	۸۱،۸۲

آیات کا ترجمہ

اور جب اللہ نے انبیاء علیہم السلام سے پختہ عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب اور حکمت عطا کردوں پھر تمہارے پاس وہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے جو ان کتابوں کی تصدیق فرمانے والا ہو جو تمہارے ساتھ ہوں گی تو لازماً ان پر ایمان لانا اور ضرور بالضرور ان کی مدد کرنا، فرمایا: کیا تم نے اقرار کیا اور اس (معاملے) پر میرا عہد مضبوطی سے تھام لیا؟ سب نے عرض کی ہم نے اقرار کرلیا فرمایا تم گواہ ہو جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔ پھر جس نے اس (عہد) کے بعد منہ پھیرا پس وہی لوگ

نافرمان ہوں گے۔

نکتہ بیانی

(۱) اللہ تعالیٰ نے عہد لینے کے ضمن میں نبیین فرمایا ہے مرسلین نہیں فرمایا کیونکہ رسول تین سو تیرہ ہیں اور انبیاء علیہم السلام کی تعداد سوا لاکھ کے لگ بھگ ہے اور عہد میں تمام کو شامل کرنا تھا۔

(۲) اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام سے فرمایا کہ جب میں تمہیں کتاب اور حکمت دے دوں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نبی کو کتاب بھی ملی اگرچہ وہ مختصر صحیفہ ہی کیوں نہ ہو اور حکمت بھی ملی۔

(۳) کتاب ذریعہ ہدایت وعلم ہے اور حکمت اس علم کی مناسب وقت پر لوگوں کے حسب حال تقسیم ہے جس میں سامع کی ذہنی سطح کو مدنظر رکھا جاتا ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود سے فرمایا کہ میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے اس زندہ کرنے اور مارنے کی حقیقت کو نمرود نہ سمجھا اور اس نے کہہ دیا میں زندہ کرتا اور مارتا ہوں خلیل سمجھ گئے کہ اس بات سے مقصد پورا ہوتا نظر نہیں آتا تو آپ نے فوراً فرمایا: میرا رب وہ ہے جو مشرق سے سورج کو طلوع کرتا ہے اور مغرب میں غروب کرتا ہے تو سورج کو مغرب سے طلوع کر کے دکھا اس بات پر نمرود مبہود ہو کر رہ گیا۔

(۴) کتاب اس کو دی جاتی ہے جس میں پڑھنے کی صلاحیت موجود ہو اور حکمت اس کو دی جاتی ہے جو اعلیٰ سطحی ذہن کا مالک ہو لہٰذا انبیاء و رسل علیہم السلام میں یہ دونوں صلاحیتیں من جانب اللہ ہوتی ہیں۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنے کی بات بعد میں فرمائی پہلے فرمایا کہ میں تمہیں کتاب وحکمت کا جوہر دے دوں ہر کتاب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائل کا ذکر تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت بھی عیاں کی گئی پھر حکمت کا تقاضا یہی تھا کہ جب اپنے سے بڑا آ جائے تو چھوٹے کو کرسی چھوڑ دینا چاہیئے۔

(٦) اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے فرمایا: پھر تمہارے پاس رسول آ جائے۔ یہاں سے ختم نبوت کی طرف بھی اشارہ ہے کیونکہ اللہ نے ایک رسول کی بات کی دو کی نہیں اور آخر پہ رسول رکھا نہ کہ فقط نبی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری نبی بھی ہیں اور آخری رسول بھی کیونکہ ہر رسول نبی بھی ہوتا ہے جبکہ ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔

(٧) اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام سے کلام کرتے ہوئے ثم کا لفظ استعمال فرمایا ہے جس کی معنی پھر کہ ہیں اس طرح ہر نبی کی طرف آپ کی آمد ممکن بنا دی یعنی یہ تم میں سے کسی کے پاس بھی آ سکتا ہے مراد یہ ہے کہ یہ پھر آ سکتا ہے اس کے بعد پھر آ سکتا ہم جب کسی سے کہتے ہیں کہ تم پھر آ گئے ہو تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ پہلے بھی آئے ہو لفظ پھر تسلسل کے ساتھ آنے کا فائدہ دیتا ہے لہٰذا سب انبیاء علیہم السلام کو آپ کی آمد کا انتظار رہو گا۔

ہر نبی کو تیری آمد کا رہا انتظار
واہ کس قدر طویل تھا تیرا انتظار

جو پھر، پھر آ سکتا ہے وہ کبھی بھی آ سکتا ہے۔ وہ کبھی بھی پھیرا پا سکتا ہے اور جن کے پاس وہ پھرتے ہیں ان کے دن پھرتے ہیں۔

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

اور

پھر پھر کے ہارون سمجھاتا پھرتا ہوں پھر
میں اعلیٰ حضرت کا مسلک سمجھاتا پھرتا ہوں پھر

(٨) جو پھر آ جائے، پھر، پھر آ جائے تو زمانہ اسی کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی بابت رسولوں، نبیوں کو کوئی وقت نہیں بتایا کہ اس وقت آ جائے جس کا کوئی وقت نہ ہو سارا وقت اسی کا ہی تو ہوتا ہے۔

(۹) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ رسول جو کچھ تمہارے پاس ہے اس کی تصدیق کر دے اور تصدیق کوئی عام آدمی نہیں کرتا۔ بڑے عہدے والا کرتا ہے تو معلوم ہوا آپ ﷺ صرف انبیاء علیہم السلام کے مہر لگانے والے خاتم نہیں ہیں بلکہ آپ سابقہ شریعتوں اور کتاب کے بھی خاتم مصدق و تصدیق Attestation کنندہ ہیں۔

(۱۰) اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے فرمایا کہ اگر وہ تصدیق کر دے تو تم اس پر ایمان لانا اسے تسلیم کر لینا اور اس کی مدد کرنا یعنی اگر چہ تم اپنی اپنی امت کے لیڈر ہو لیکن جب یہ رسول آ جائے تو اس کے کارکن Worker بن جانا۔

(۱۱) قارئین کرام اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں جہاں حضور اکرم ﷺ کی فضیلت بیان کی وہاں ہمارے لئے مسائل کا حل بھی موجود ہے کہ جب کسی دور میں چھوٹی چھوٹی جماعتیں ہوں اور ان کے لیڈر ہوں اور اس صورتحال میں لوگ پریشان ہوں کہ لیڈر ہوں اور اس صورتحال میں لوگ پریشان ہوں کہ لیڈر کس کو ہونا چاہئے تو قرآن نے مسئلہ حل کر دیا کہ جو زیادہ صلاحیتوں کا مالک ہے اور جس کا علمی مقام بلند ہے تمام چھوٹے لیڈروں کو چاہئے کہ وہ اسے اپنا قائد تسلیم کریں۔ یہ آیت ہمیں یہی سبق سکھاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ یہ رسول ﷺ کسی نبی کے دور میں نہیں جائے گا پھر یہ سب کچھ صرف فضیلت کی خاطر بیان نہیں کیا بلکہ قیادت کے مسئلے کو بھی حل کر دیا اگر آج ہم اسی پر عمل کریں تو امت وحدت کا مظہر بن سکتی ہے تمام لیڈروں کی علمی و دینی خدمات کا جائزہ لیں جو زیادہ باصلاحیت ہے اسے لیڈر ہونا چاہئے اور دوسری چھوٹی چھوٹی جماعتوں اور تنظیموں کے لیڈروں کو اپنی انانیت چھوڑ کر اسے اپنا لیڈر تسلیم کر لینا چاہئے تا کہ فرقہ واریت کا خاتمہ ہو۔

(۱۲) اللہ نے تمام نبیوں کے سامنے جب اس بات کو واضح فرمایا کہ اگر یہ رسول آ جائے تو اس پر تم ضرور ایمان لانا اور لازماً ان کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ کے اس کلام پر تمام انبیاء علیہم السلام گواہ بھی ہوئے اور محمد ﷺ کی مدد اور ان پر ایمان لانے کا اقرار کر لیا۔

ساتھ ہی فضیلت وعظمت مصطفیٰ ﷺ پر اللہ تعالیٰ بھی خود ان کے ساتھ گواہ ہو گیا چنانچہ آپ ﷺ کی فضیلت و برتری کے گواہ سارے نبی بھی ہیں اور خود اللہ تعالیٰ بھی گواہ ہے۔

ع شاہد ہیں تیری عظمت کے اللہ بھی نبی بھی
اونچا ہے تیرا چرچا گھٹ سکتا نہیں کبھی بھی

(۱۳) یاد رہے کہ میثاق انبیاء علیہم السلام عالم ارواح میں طے پایا اللہ تعالیٰ نے روحوں سے کلام کیا اور انہوں نے جواب بھی دیا۔ جواب دینے کے لئے باشعور ہونا لازمی ہے۔ معلوم ہوا کہ ارواح انبیاء علیہم السلام شعور اور پہچان رکھتی ہیں نیز سنتی اور جواب دیتی ہیں۔

(۱۴) اللہ تعالیٰ نے اگلی آیت میں نافرمانوں کی نشاندہی فرمائی جو اس عہد سے پھر وہ فاسق ہے وہ عہد کیا ہے؟

رسول اکرم ﷺ پر ایمان اور آپ کی نصرت کا عہد جو اس عہد پر قائم نہ رہے وہی نافرمان بظاہر یہ خطاب انبیاء علیہم السلام سے ہے لیکن درحقیقت پوری انسانیت کے لئے تنبیہ ہے اور جب انبیاء علیہم السلام کا آپ پر ایمان لانا اور آپ کے مشن میں آپ کی مدد کرنا ضروری ہے تو پھر امت اور بعد از بعثت تمام انسانوں پر آپ ﷺ پر ایمان لانا اور آپ کے دین کی مدد کرنا کیونکر لازمی نہیں؟

(۱۵) اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے فرمایا کہ تم ضرور ان کی مدد کرنا اس سے وسیلے کا نکتہ بھی عیاں ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی ارواح روحانی مدد کر سکتی ہیں۔ جیسا کہ معراج کی رات نمازوں کی تخفیف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ ﷺ کی معاونت کی۔

موت ایک ذائقہ ہے

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّۃَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝

آیت کے حوالہ جات

سورت کا نام	آل عمران
سورت کا نمبر	۳
آیت نمبر	۱۸۵

آیت کا ترجمہ

ہر جان کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور تمہارے اجر پورے کے پورے قیامت کے دن ہی دیئے جائیں گے بس جو کوئی دوزخ سے بچالیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہ واقعتاً کامیاب ہو گیا اور دنیا کی زندگی دھوکے کے مال کے سوا کچھ بھی نہیں۔

نکتہ بیانی

(۱) درج بالا آیت کے ابتدائی حصہ میں تین چیزوں کا ذکر ہے۔

(i) نفس

(ii) ذائقہ

(iii) موت

نفس کی درج ذیل اقسام ہیں۔

(i) نفس امارہ جو گناہ کی طرف لگاتا ہے۔

(ii) نفسِ لوامہ جو کہ ملامت کرتا ہے۔

(iii) نفس مطمئنہ جو کہ بندگی میں مقام اطمینان پیدا کرتا ہے۔

(iv) نفس راضیہ جو اللہ کی رضا پر راضی رہتا ہے۔

(v) نفس مرضیہ جس کی رضا رب خود چاہتا ہے۔

ذائقے کی درج ذیل اقسام ہیں:

(i) میٹھا ذائقہ (ii) کڑوا ذائقہ (iii) کھٹا ذائقہ (iv) نمکین ذائقہ (v) عام ذائقہ۔

موت کی درج ذیل اقسام ہیں:

(i) ذلت کی موت (ii) عام موت (iii) عزت کی موت (iv) اختیاری موت

(۲) نفس جیسا ہوگا ذائقہ اور موت بھی اس کے موافق ہوں گے۔

مثلاً

(i) نفس امارہ	کڑوا ذائقہ	رسوا موت
(ii) نفس لوامہ	عام ذائقہ	عام موت
(iii) نفس مطمئنہ	میٹھا ذائقہ	عزت کی موت
(iv) نفس راضیہ	میٹھا ذائقہ	عزت کی موت
(v) نفس مرضیہ	اعلیٰ ذائقہ	اعلیٰ موت

اختیاری موت صرف رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ خاص ہے کیونکہ صرف آپ کو موت کا اختیار دیا گیا تھا۔

(۳) موت بذات خود عام ہے۔اسے اچھا بنانا انسان کے نفس پر موقوف ہے اسی طرح ذائقہ عام ہے اسے میٹھا یا کڑوا بنانا نفس کی حیثیت پر منحصر ہے۔

(۴) موت کو اگر ایک سادہ پانی کا گلاس تصور کریں تو اگر اچھے اعمال کی مٹھاس اس میں ڈال دی جائے تو وہی ذائقہ میٹھا بن جائے گا اور اگر موت کے پانی کے گلاس

میں بڑے اعمال کی کڑواہٹ ڈال دی جائے تو یہی موت تلخ ذائقے سے دوچار ہوگی۔
یہ تو انسان پر منحصر ہے کہ وہ اس ذائقے کو کیسا بناتا ہے۔

ع عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری

(۵) اس دنیا میں کسی کی موت کا کیا مقام ہے۔ کسی کی نفس کی کیا حالت ہے، یہ طے کرنا عام حالات میں اور عام لوگوں کے لئے ممکن نہیں ہے۔

اس لئے عقل وخرد کا یہ مطالبہ ہے کہ کوئی ایسے لمحات ہوں کہ حقائق سامنے آ جائیں کیونکہ ممکن ہے جسے لوگ اچھا سمجھتے ہوں عنداللہ وہ اچھا نہ ہو اور جسے معاشرے میں اچھا نہ جانا جاتا ہو مگر وہ کسی ایسے عمل کا مرتکب ہوا ہو جو اللہ کو پسند آ جائے۔ اس مقصد اور حقائق کو سامنے لانے کے لئے روز قیامت کا تعین کیا گیا تاکہ جزا وسزا کا حتمی فیصلہ سنا دیا جائے۔

(۶) جو نفس کے اس مقام پر ہو کہ جنت میں داخل کر دیا جائے اور جہنم سے بچا لیا جائے تو یہی حقیقی کامیابی ہے۔

(۷) موت کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ نے دنیا کی حقیقت واضح فرمائی اور واضح کر دیا کہ دنیا کی زندگی دھوکے کا سامان ہے۔ انسان دنیاوی لذات میں الجھ کر اخروی نعمتوں کو بھول جاتا یوں وہ اس تھوڑے سے سامان عیش سے دوام عیش کو نظر انداز کر کے دھوکہ کھاتا ہے۔

ع جگہ دل لگانے کی دنیا نہیں
عبرت کی جا ہے کوئی تماشا نہیں
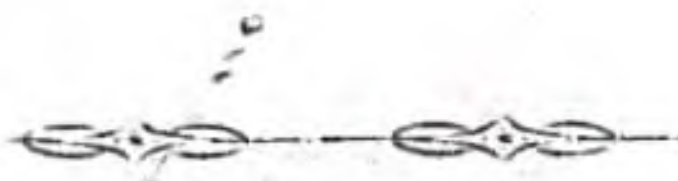
ذاکرین خدا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِہِمْ وَ یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○ رَبَّنَآ اِنَّکَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَیْتَہٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ○

آیت کے حوالہ جات

سورت کا نام	آل عمران
سورت کا نمبر	۳
آیت نمبر	۹۱،۹۲

آیت کا ترجمہ

یہ (عقل سلیم والے) وہ لوگ ہیں جو کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں فکر کرتے ہیں، اے ہمارے رب تو نے یہ بے حکمت اور بے تدبیر نہیں بنایا تو پاک ہے۔ پس ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔ اے ہمارے رب بے شک تو جسے چاہے دوزخ میں ڈال دے تو تو نے اسے واقعتاً رسوا کر دیا اور ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں۔

نکتہ بیانی

(۱) درج بالا آیت سے قبل کی آیت میں عقل سلیم رکھنے والوں کی بات کی گئی ہے اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر وہی لوگ کرتے ہیں جو عقل سلیم رکھتے ہیں اور جو

لوگ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں وہی لوگ باشعور ہیں کیونکہ کسی چیز کی اہمیت کا ادراک صاحب شعور کرتا ہے۔ جب آدمی کسی فعل کی اہمیت و مقام کو سمجھ لیتا ہے تو پھر اسے عمل کے سانچے میں ڈھالتا ہے۔

ع اندھیروں کو دور کرتا ہے مانند نور ہے
خدا کی کیسی عظیم نعمت یہ شعور ہے

(۲) اللہ تعالیٰ نے اہل بصیرت کے ذکر الٰہی کرنے کی تین حالتیں بیان کی ہیں۔

(i) کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا

(ii) بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا

(iii) لیٹ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا اس میں جھکنا بھی شامل ہوگا۔

اور انسانی جسم کی یہ تین حالتیں ہوتی ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے صاحب بصیرت، بندے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور ہر حال میں ذکر کیا جائے تو اسے ذکر کثیر کہتے ہیں اور ذکر کثیر خدا سے رحمت عطا ہوتی ہے جیسا کہ قرآن نے کہا:

''اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کرو تا کہ تم پر رحمت کی جائے''۔

ع کون منکر ہو اس کی تاثیر سے
رحمت خدا ملتی ہے ذکر کثیر سے

ہر حال میں ذکر الٰہی کرنا رجوع الی اللہ کا سبب ہے اور جب بندہ اسمقام پر پہنچتا ہے تو وہ شیطان کے حملوں سے محفوظ ہو جاتا ہے اس کا نفس نیکیوں کی طرف مائل ہوتا ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت کے ساتھ کرنے کے سبب بندے پر رحمت الٰہیہ سایہ فگن ہو جاتی ہے اور جب بندہ رحمت کو پا لیتا ہے تو وہ محسنین کے درجے میں آ جاتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ

''بے شک اللہ کی رحمت محسنین کے قریب ہے''۔

درجہ احسان وہ ہے جہاں سے ولایت کی ابتداء ہوتی ہے۔

درجہ احسان پر بندے کے دل میں اللہ کی یاد دائماً جلوہ گر ہو جاتی ہے۔

(۴) اللہ کا ذکر تینوں حالتوں میں جائز ہے۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے ذکر کرنے کی بات کی لیکن ذکر کا وقت نہیں متعین کیا جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہر وقت جائز ہے خواہ نماز کے بعد ہو، پہلے ہو یا کسی منعقدہ محفل میں ہو۔

(۶) ذکر کے لغوی معنی یاد کرنے کے ہیں اور یاد کرنا بھولنے کے منافی ہے جسے یاد رکھا جاتا ہے وہ بھولتا نہیں اور نہ بھولنا یاد رہنے کی نشانی ہے۔

(۷) اللہ تعالیٰ نے اپنے ذاکرین کے بارے میں فرمایا کہ وہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں غور کرتے ہیں۔ زمین اور آسمانوں کے ذکر میں دیگر تمام اشیاء بھی شامل ہو گئی ہیں ہر چیز میں غور و فکر کرنا جائز ہے سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے کیونکہ عقل اس سے قاصر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ذکر روحانی ترقی کی بنیاد ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ مخلوق میں غور و فکر کرنا ہماری دنیاوی ترقی وامور کا سبب ہے۔

(۸) اللہ تعالیٰ کے کامل بندے وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ کی تخلیق کردہ اشیاء پر غور کرتے ہیں اور غور کرنے سے اشیاء کی حقائق اور ان کی ضرورت سے آگاہ ہو کر انہیں اپنے استعمال میں لاتے ہیں اور ان سے فوائد حاصل کرتے ہیں۔

(۹) ان آیات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خدا کی بندگی کے بعد اسلام میں غور و فکر کو بڑی اہمیت حاصل ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ ایک ساعت کا غور و فکر ۷۰ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

(۱۰) جب اللہ کے بندے اللہ کی تخلیق کردہ مختلف اشیاء پر غور و تحقیق کریں گے تو انہیں نئی معلومات ملیں گی جس سے نئے علوم جنم لیں گے جیسے کیمسٹری، بیالوجی، فزکس، فلکیات وغیرہ تحقیق کا نتیجہ ہیں۔

(۱۱) یہ بھی ثابت ہوا کہ وہ تمام علوم جو اشیائے تخلیق میں تحقیق کرنے میں معاونت کرتی ہیں ان کا حاصل کرنا جائز اور مستحسن ہے جن کا ذکر گزشتہ تحریر میں کیا گیا ہے۔

(۱۲) اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی یہ پہچان بتائی کہ وہ کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے فائدہ پیدا نہیں فرمایا یعنی اللہ کے بندے اللہ کی تخلیق کردہ کائنات میں سے کسی چیز کو فضول نہیں سمجھتے۔

(۱۳) اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہر چیز کا کوئی نہ کوئی مقصد ہے۔ بعض کی ہمیں سمجھ ہے اور بعض کی نہیں ہے۔

(۱۴) اللہ تعالیٰ کے بندے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنے کے بعد اپنی توجہ آخرت کی طرف مبذول کرتے ہوئے بارگاہ رب العزت میں عرض گزار ہوتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔ اے ہمارے رب جس کو تو نے دوزخ مین داخل کیا یقیناً تو نے اسے رسوا کیا اور ظالموں کے لئے روز قیامت کوئی مددگار نہیں۔ اللہ کی مدد خواہ کسی بھی سبب سے ہو' ظالموں کے کام نہیں آئے گی۔ اللہ کے بندے یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ہم محض اعمال کی بدولت جنت حاصل نہیں کریں گے بلکہ آخرت کی کامیابی اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ منسلک ہے اور روز قیامت وہی کامیاب ہوگا جس پر اللہ کا فضل ہوگا۔

قانون استغفار

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ط وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ٥

آیت کے حوالہ جات

سورت کا نام	النساء
سورت کا نمبر	۴
آیت نمبر	۶۴

آیت کا ترجمہ

اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے اور اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں اور آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جائیں اور اللہ سے معافی مانگیں اور رسول بھی ان کے لئے مغفرت طلب کریں تو وہ ضرور اللہ کو توبہ قبول کرنے والا نہایت مہربان پائیں۔

نکتہ بیانی

(۱) رسولوں کی اطاعت اللہ تعالیٰ کا حکم ہے لہٰذا ان کی یہ شان انہیں دوسرے لوگوں سے ممتاز کرتی ہے۔ ظاہری طور پر رسول کی اطاعت ہوتی ہے لیکن حقیقی طور پر وہی اطاعت اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ رسول کو ایک نمونہ عمل بنا کر بھیجتا ہے اور اس میں ایسے افعال و امور رکھ دیتا ہے جو عین اس کی رضا کے مطابق ہوتے ہیں۔ رسول کے

افعال اور اس کا کردار ایسا طرز عمل ہے جو اللہ کے قانون کے تحت ہوتا ہے۔ خدا بندوں سے کیا چاہتا ہے؟ اس کے پسندیدہ افعال کون سے ہیں؟ اس کا قرب کیسے نصیب ہوتا ہے۔ کن باتوں سے وہ خوش ہوتا ہے بندے کو کس حال میں دیکھنا چاہتا ہے۔ ان تمام امور کے لئے اللہ تعالیٰ رسولوں کو بھیجتا ہے۔ رسول اپنی زندگی لوگوں میں گزارتا ہے اور ان کے سامنے وہ کردار ادا کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی عین رضا کے مطابق ہوتا ہے۔

(۲) اطاعت و اتباع اس کی کی جاتی ہے جو سامنے موجود ہو اور نظر آئے انسان اس سے ہمکلام بھی ہو سکے اسے اپنی بات کہہ سکے اور اس کی بات بھی سن سکے۔ نیز جن امور کا وہ حکم دے وہ عملی طور پر کر کے بھی دکھائے تا کہ اس کی اطاعت کو عملی جامہ پہنایا جا سکے۔ بندوں کے لئے ممکن نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے گفتگو کریں اس کے پسندیدہ امور معلوم کریں اسے دیکھیں اور اس کی باتوں کو دیکھ کر عمل کریں تو اس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ رسول کو بھیجتا ہے۔ رسول عین رضائے الہیہ کا مظہر ہوتا ہے اور اس کی زندگی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت ہوتی ہے اور اس کی اطاعت درحقیقت اللہ کی اطاعت ہوتی ہے یعنی

اطاعت رسول = اطاعت خدا

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ (النساء)

''جس نے رسول کیا طاعت کی تحقیق اس نے اللہ کی اطاعت کی''

(۳) دلچسپ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جا بجا یہ تو فرمایا کہ رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے لیکن یہ نہیں فرمایا کہ اللہ کی اطاعت کرو جس نے اللہ کی اطاعت کی گویا کہ اس نے رسول کی اطاعت کی۔ اس سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ بلاواسطہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت رسول ہی کی اطاعت سے شروع ہوتی ہے۔ ظاہراً وہ اطاعت رسول ہوتی ہے درحقیقت وہ اطاعت الٰہی ہوتی

ہے۔

؎ اطاعت خدا کی ہے اطاعت رسول کی
اک نمونۂ عمل ہے شخصیت رسول کی

(۴) اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے جو اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں، استغفار کا طریقہ اور کلیہ بتایا ہے اور وہ کلیہ یہ ہے کہ جو اپنی جان پر ظلم کر بیٹھے یعنی گناہ کا مرتکب ہو جائے تو اس کے لئے نسخہ مغفرت درج ذیل ہے۔

(i) وہ رسول اکرم ﷺ کی بارگاہ سے رجوع کرے۔

(ii) وہاں پہنچ کر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے۔

(iii) رسول اکرم ﷺ بھی اس کے لئے مغفرت طلب کریں۔

(iv) تب وہ اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا اور نہایت مہربان پائے گا۔

یعنی اللہ تعالیٰ اس کے لئے تواب اور رحیم ہے جو درج بالا نسخے پر عمل کرے۔

(۵) جب بھی گناہ واقع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے رسول کی بارگاہ سے رجوع کیا جائے گا خواہ یہ رجوع جسمانی یعنی ظاہری طور پر ہو یا دوری کے سبب باطنی طور پر ہو، تاقیامت آپ ﷺ کا در اقدس گنہگاروں کے لئے استغفار اور توبہ کا مرکز ہے یعنی بعد از وصال بھی آپ کے سبب سے گناہ معاف ہوتے ہیں جیسا کہ ابنِ کثیر میں ہے۔ امام عتبی کہتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کی قبر کے پاس بیٹھا تھا۔ ایک اعرابی روضہ رسول پر آیا اور کہا السلام علیک یا رسول اللہ ﷺ میں نے اللہ کا یہ ارشاد سنا ہے کہ اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کر لیں تو آپ ﷺ کے پاس آ جائیں۔ پس اللہ سے بخشش طلب کریں اور رسول ﷺ بھی ان کے لئے بخشش کی دعا مانگیں تو وہ ضرور اللہ کو توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پائیں گے۔ اس لئے میں اپنے گناہوں کی معافی کے لئے اللہ کی بارگاہ میں سفارش پیش کرنے آیا ہوں اس کے بعد اس نے درد دل سے چند اشعار پڑھے پھر وہ چلا گیا۔ امام عتبی پر نیند کا غلبہ ہوا۔ پس آپ کو حضور پر نور خواب میں ملے اور فرمایا: ''اے عتبی

جا کر اس اعرابی کو خوشخبری سنا دو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت کر دی ہے''۔

(۶) توبہ قبول کرنے والا اور بخشنے والا اللہ تعالیٰ ہے جیسا کہ قرآن میں ہے:

وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ

''اور اللہ کے سوا کون ہے جو گناہوں کی مغفرت کرے''۔

اگر ایک بندہ اپنی جان پر ظلم کرتا ہے اور گناہ کرتا ہے تو جب گناہ اللہ تعالیٰ نے معاف کرنے ہیں تو چاہیئے تو یہ تھا کہ وہ توبہ کرتا اور اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرما دیتا لیکن اللہ تعالیٰ نے گناہوں سے مغفرت کے لئے تین ضروری شرائط رکھ دیں۔

(i) وہ گنہگار بندہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس چل کر جائے آپ کے در اقدس پر حاضر ہو۔

(ii) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے در دولت پر پہنچ کر اللہ تعالیٰ سے استغفار طلب کرے۔

(iii) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے اس کے گناہوں کی مغفرت طلب کریں تب اس کے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

(۷) اگر اس بندے کے گناہ جو در رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچ گیا خود اس کے دعائے استغفار سے معاف ہو جاتے تو پھر یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ رسول خدا بھی اس کے لئے مغفرت کی دعا کریں۔ اللہ تعالیٰ خود اسی گنہگار کی توبہ پر اس کے گناہ معاف فرما دیتا۔

(۸) اب وسیلے کی اہمیت روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلے کے سبب سے گناہ معاف ہوتے ہیں اور اللہ نے خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے توسل کا حکم دیا ہے۔

ع اصل الاصول یہی ہے توبہ کے حصول کا
کام آتا ہے مذنب کے وسیلہ رسول کا

ایمان کی بنیاد

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۝

آیت کے حوالہ جات

سورت کا نام	النسآء
سورت کا نمبر	۴
آیت نمبر	۶۵

آیت کا ترجمہ

''پس آپ کے رب کی قسم! یہ لوگ (اس وقت تک) مسلمان نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ وہ اپنے درمیان واقع ہونیوالے جھگڑے میں آپ ﷺ کو حاکم بنالیں پھر اس فیصلے سے جو آپ ﷺ صادر فرمائیں اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں اور خوشی و فرمانبرداری کے ساتھ قبول کرلیں''۔

نکتہ بیانی

(۱) اللہ تعالیٰ نے اپنی قسم کھائی ہے لیکن انداز قسم قابل غور ہے۔ اپنی قسم میں بھی اللہ تعالیٰ نے محبوب کا ذکر فرمادیا۔ قرآن مجید میں کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کی نسبت آپ کی طرف کی ہے۔ رب نعمتیں عطا کر کے پرورش کرنے والا ہے اور حضور اکرم ﷺ ان نعمتوں کے قاسم ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے: بے شک میں تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ عطا کرنے والا ہے۔

؎ نعمتیں بانٹا جس سمت وہ ذیشان گیا
ساتھ ہی منشیِ رحمت کا قلم دان گیا

(۲) جو نبی کا فیصلہ نہ مانے وہ مومن نہیں خواہ وہ کلمہ توحید پڑھتا ہو نماز قائم کرتا ہو روزے رکھتا ہو کیونکہ یہ چیزیں ظہورِ ایمان تو ہیں مگر حقیقت ایمان نہیں ہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے سلسلۂ ایمان میں دو چیزوں کا ذکر کیا ہے:

(i) نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے فیصلے کو تسلیم کرنا۔

(ii) اور اس فیصلے پر دل میں تنگی نہ ہو۔

فیصلہ دو وجوہات کی بنا پر تسلیم کیا جاتا ہے۔

(i) مجبوراً اور یہ بے اختیاری کی وجہ سے ہوتا ہے۔

(ii) مسروراً یہ دل کی خوشی اور اطمینان کے ساتھ تسلیم کیا جاتا ہے۔

(۴) آیت میں یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے فیصلے کو تسلیم کر لیتا ہے لیکن دل میں یہ بات ہو کہ یہ فیصلہ صحیح نہیں ہوا تب بھی وہ مومن نہیں ہو سکتا۔

(۵) فیصلہ تسلیم کرنے میں انسان کی اپنی خواہش کا بھی کردار ہوتا ہے اور وہ اپنی خواہش کے مطابق فیصلہ چاہتا ہے لیکن بارگاہ رسالت کے فیصلے کا یہ مقام ہے کہ یہاں اپنی خواہش کو کوئی عمل دخل نہیں صرف ارادۂ رسول کی دل سے قبولیت ہے۔

؎ فیصلہ خدا کا ہے فیصلہ رسول کا
تقاضا ہے یہی بس ایمان مقبول کا

صحبت اعلیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ ۚ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ۝

آیات کے حوالہ جات

سورت کا نام	النسآء
سورت کا نمبر	۴
آیت نمبر	۶۹،۷۰

آیات کا ترجمہ

اور جو کوئی اللہ اور رسول کی اطاعت کرے تو یہی لوگ (روز قیامت) ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے جو کہ انبیاء علیہم السلام، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں اور یہ بہت اچھے دوست ہیں۔

یہ فضل اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ جاننے والا کافی ہے۔

نکتہ بیانی

(۱) اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت کے مختلف ثواب انعامات بیان کئے گئے درج بالا آیت میں اطاعت گزاروں کے لئے انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کی معیت وصحبت کا ذکر فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بندگی کی یہی بنیادی چار مقامات ہیں، بندگی میں اول انبیاء پھر صدیقین پھر شہداء اور پھر صالحین ہیں۔

(۲) یہی چار لوگ اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ بندے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام پر اللہ نے انعام کیا اور انہیں نبوت سے نوازا۔ صدیقین کو صداقت سے نوازا' شہداء کو اپنی راہ میں جان قربان کرنے کی توفیق بخشی اور صالحین کو تقوے کی دولت عطا کی۔ کسی میں بندگی کے یہ چاروں درجے موجود ہوتے ہیں اور کسی میں کم یعنی بعض انبیاء علیہم السلام بھی شہید ہوئے تمام انبیاء علیہم السلام صادق اور صالح بھی تھے اور بعض بندوں میں یہ تین درجے ہوتے ہیں۔ بندہ اب زیادہ سے زیادہ ان میں سے تین درجے حاصل کر سکتا ہے کیونکہ نبوت کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ

"سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ" یہ نہیں فرمایا کہ سچے ہو جاؤ کیونکہ صداقت کی نعمت سے صحیح معنی میں وابستگی تب ہوگی جب صدیقین کی صحبت میسر آئے گی"۔

(۴) ہم سورۃ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ سے انہیں لوگوں کی راہ کے طلبگار بنتے ہیں اور انکا راستہ تب نصیب ہوگا جب ہماری ان بندوں کے ساتھ روحانی وابستگی اور قلبی لگاؤ ہوگا۔

(۵) چونکہ آخری درجے یعنی صالحین جنہیں اولیاء اللہ بھی کہا جاتا ہے یہ ہر دور میں موجود ہوتے ہیں لہٰذا کامل مرشد کو پکڑنا اور اس کی صحبت میں آنا انسان کی روحانی ضرورت ہے۔

(۶) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ بہترین دوست ہیں اور بہترین دوست وہ ہوتا ہے جو مصیبت میں کام آتا ہے اس لئے روز قیامت یہی لوگ کام آئیں گے اور اپنے دوستوں کی شفاعت کریں گے۔

(۷) اللہ تعالیٰ نے انبیاء' شہداء' صدیقین اور صالحین کی دوستی کو فضل قرار دیا ہے یعنی

انبیاء' صدیقین' شہداء' اولیاء = فضل الٰہی

اور اللہ کے علم میں ہے کہ کون اس کے ان بندوں سے دوستی رکھتا ہے۔

نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

یٰۤاَھْلَ الْکِتٰبِ قَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَکُمْ کَثِیْرًا مِّمَّا کُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْکِتٰبِ وَ یَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ ط قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّ کِتٰبٌ مُّبِیْنٌ ○ یَّھْدِیْ بِہِ اللّٰہُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَہٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَ یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ بِاِذْنِہٖ وَ یَھْدِیْھِمْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ○

آیات کے حوالہ جات

سورت کا نام	المآئدہ
سورت کا نمبر	۵
آیت نمبر	۱۵،۱۶

آیات کا ترجمہ

اے اہل کتاب! بے شک تمہارے پاس ہمارے رسول تشریف لائے ہیں جو تمہارے لئے بہت سی ایسی باتیں ظاہر فرماتے ہیں جو تم کتاب میں سے چھپائے رکھتے تھے اور بہت سی باتوں سے درگزر فرماتے ہیں۔ بے شک تمہارے پاس ایک نور آ گیا اور ایک روشن کتاب۔

اللہ اس کے ذریعے ان لوگوں کو جو اس کی رضا کے پیرو ہیں۔ سلامتی کی راہوں کی ہدایت فرماتا ہے اور انہیں اپنے حکم سے تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا ہے اور انہیں سیدھی راہ کی طرف ہدایت

فرماتا ہے۔

نکتہ بیانی

(۱) رسول اکرم ﷺ کو سابقہ کتب کا علم بھی عطا کیا گیا اس لئے اہل کتاب جو باتیں چھپاتے آپ ﷺ ان کو ظاہر فرما دیتے۔

(۲) سابقہ کتب سے جو علوم آپ ﷺ کو عطا کئے گئے ان میں سے مناسبت احوال کے ساتھ آپ ظاہر فرماتے اور کچھ سے صرف نظر فرماتے یعنی لازمی نہیں جو چیز نبی چھپائے یا صرف نظر کر دے وہ اسے معلوم بھی نہ ہو۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے فرمایا کہ میری طرف سے تمہاری طرف نور اور روشن کتاب آئی۔

نور سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں اور کتاب مبین سے مراد قرآن مجید ہے۔

درج ذیل تفاسیر میں نور سے مراد آپ ﷺ لئے گئے ہیں:

(۱) تفسیر ترجمان القرآن (۲) تفسیر فتح القدیر (۳) تفسیر فتح البیان (۴) تفسیر موضح القرآن (۵) تفسیر ترجمان القرآن (۶) تفسیر ثنائی (۷) تفسیر محمدی (۸) تفسیر عثمانی (۹) تفسیر معارف القرآن (۱۰) تفسیر انوار القرآن (۱۱) تفسیر ماجدی (۱۲) تفسیر انوار البیان (۱۳) تفسیر روح المعانی (۱۴) تفسیر درمنثور (۱۵) تفسیر نسفی (۱۶) تفسیر کشاف (۱۷) تفسیر سواطع الالہام (۱۸) تفسیر ابن جریر (۱۹) تفسیر روح البیان (۲۰) تفسیر معالم التنزیل

اس کے علاوہ بھی کئی کتب میں نور سے مراد آپ ﷺ کی ذات لی گئی ہے۔

اتنے حوالے ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ موجودہ زمانے کے خارجی لوگ اور بدعتی فکر عام کرنے والے بدبخت حضور ﷺ کی نورانیت کے ہی فقط منکر نہیں بلکہ آپ ﷺ کی بشریت کو بھی نچلے درجے پے لاتے ہیں۔ ان بدبختوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ بشریت اور نورانیت ایک دوسرے کی ضد نہیں ہیں۔ نور بشر کی صورت اختیار کر سکتا خواہ مثالی ہو یا

حقیقی ہو۔ حضرت جبرائیل کو اللہ تعالیٰ نے مریم کی خاطر بعینہٖ بشر بنا دیا تھا۔ (سورہ مریم)

(۴) آیت میں پہلے حصے میں قد جاء کم رسولنا آیا ہے جبکہ اس کے بعد کتاب کا ذکر ہے اور آیت کے اگلے حصے میں جاء کا لفظ نور سے پہلے آیا ہے دونوں شواہد یہی تقاضا کرتے ہیں کہ نور سے مراد آپ ﷺ کی ذات ہے۔

(۵) خارجی بدعتی لوگ کہتے ہیں کہ نور اور کتاب مبین کے درمیان ''و'' تفسیر یہ ہے نور کی تفسیر اگر کی بھی جاتی تو صرف کتاب سے کی جاتی۔ لفظ مبین نہ آتا کیونکہ نور مبین سے زیادہ واضح ہے اور اس کی تفسیر کم واضح سے نہیں کی جا سکتی لہٰذا ''و'' کو واو مغایرت تسلیم کرنا پڑے گا دوسرے قرآن آیات کی صورت میں آیا ہے۔ مکمل کتاب بن کر نہیں آیا اور کتاب لکھی ہوئی تحریر کو کہتے ہیں۔ پورے قرآن میں جاء الکتب کہیں نہیں ہے لیکن جاء کا لفظ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کئی مقامات پر آیا جیسے وجی النبین وغیرہ لہٰذا لفظ جاء بھی اس بات کا متقاضی ہے کہ نور سے مراد آپ ﷺ کی ذات ہے۔

(۶) مبین کے معنی روشن اور واضح کر دینے کے ہیں یہاں تک کہ کوئی ابہام باقی نہ رہے تو جو چیز پہلے سے ہی منور اور روشن اور واضح ہے اور پھر واضح کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

(۷) مبین کی نسبت نور میں زیادہ معنویت پائی جاتی ہے۔ نور وہ ہوتا ہے جو خود بھی روشن ہو اور روشنی کو پھیلائے جبکہ مبین کا مطلب واضح کرنا ہے لہٰذا نور سے مراد قرآن لیا جاتا تو پھر جملہ یوں ہوتا قد جاء کم من اللہ رسول و کتب نور لیکن جملے کا انداز اس دعوے کی دلیل ہے کہ نور سے مراد آپ ﷺ کی ذات ہے۔

(۸) خارجی لوگ کیا اس بات پر توجہ نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں چاند کو نور کہا حالانکہ تحقیق سے ثابت ہو چکا ہے کہ چاند مٹی سے بنا ہوا ہے جو زمین سے الگ ہوا تو مٹی سے پیدا شدہ کو نور کہنے میں آخر کیا حرج ہے۔ چاند کو نور مان لیا۔ قرآن کو نور مان لیا' سورج کو نور مان لیا۔ آخر کیا تردد ہے کہ یہ خارجی لوگ خیر البشر کی نورانیت کے منکر

ہیں۔

(۹) بشریت اور نورانیت میں کوئی تناقض نہیں ہے۔ مثال کے طور پر بلب بجھا ہوا تو تب بھی اسے بلب کہتے ہیں۔ روشنی بکھیر رہا ہو تو تب بھی اسے بلب ہی کہتے ہیں۔ بشر میں جہالت کی ظلمت ہو تو پھر بھی بشر کہتے ہیں اور اگر وحی کا نور اس میں جلوہ گر ہو تو پھر بھی اسے بشر کہتے ہیں۔ حضور کی بشریت اور ہماری بشریت میں یہ بھی ایک واضح فرق ہے۔

(۱۰) خارجی لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگلی آیت میں یَهْدِیْ بِهِ اللّٰهُ آ رہا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ نور اور کتاب مبین ایک ہی چیز ہے۔ یہ بات کر کے خارجیوں نے کتنا شرک کا راستہ ہموار کیا ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْهُ اس آیت میں بھی پیچھے اللہ اور رسول کا ذکر ہے اور آگے ضمیر واحد کی ہے۔

سابقہ بیان کردہ خارجیہ کا قانون یہاں لاگو کریں تو شرک ہوتا ہے۔

نور + کتاب مبین = قرآن

اللہ + رسول = رضا

اللہ اور رسول الگ الگ ذاتیں ہیں۔ ان کی رضا ایک ہے اسی طرح حضور اور قرآن الگ الگ دو ہیں مگر ہدایت ایک ہے کیونکہ جو ہدایت قرآن میں ہے وہی ہدایت حضورؐ کے کلام اور دل میں ہے تو صحیح قانون یہ ہے۔

نور (رسول) + کتاب مبین (قرآن) = ہدایت

یعنی یقینی طور پر قرآن اور حضور ﷺ کی ہدایت ایک ہی ہے بلکہ ہدایت کے واضح کرنے والے آپ ہیں۔

(۱۱) بعض علماء نے نور اور کتاب مبین دونوں سے مراد حضور ﷺ کی ذات لی ہے۔ جیسے سید محمود آلوسی اور ملا علی قاری۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کے اخلاق کو قرآن کہا جب آپ کی ایک صفت پر قرآن کا اطلاق ہو سکتا ہے تو آپ کے پیکر عظیم پر قرآن کا اطلاق کیوں نہیں ہو سکتا؟

(۱۲) خارجیوں نے نور سے مراد بھی قرآن ہی لیا ہے کیا قرآن حضور ﷺ کے قلب اطہر پر نازل نہیں ہوا تو جس جگہ پر ۶۶۶۶ آیات نور اتریں کیا وہاں نور نہیں ہوگا جس مکان میں روشن بلب لگے ہوں تو کیا اس مکان کو روشن اور منور نہیں کہا جائے گا؟ اَكْثَرُهُمْ لَايَعْقِلُوْنَ

(۱۳) نور کی درج ذیل بنیادی اقسام ہیں۔

(i) نور حسی یعنی وہ نور جو محسوس ہو اور اس کی روشنی دکھائی دے۔

(ii) نور معنوی یعنی وہ نور جو ظاہراً روشن تو نہ ہو مگر شعور کو علم و ہدایت کی روشنی دے۔ حدیث نبوی کے مطابق اَلْعِلْمُ نُوْرٌ علم نور ہے یعنی نور معنوی ہے اور قرآن سر چشمہ علوم ہے اس لئے یہ نور معنوی ہے۔

(۱۴) حضور اکرم نور حسی بھی ہیں اور نور معنوی چونکہ آپ بشر ہیں اس لئے نور حسی کا ظہور بسا اوقات ہوتا۔

(۱۵) قرآن بلاشبہ نور ہے لیکن کوئی روایت بھی ایسی نہیں ہے کہ قرآن پاک نازل ہو تو غارِ حرا میں روشنی ہوئی یا اندھیرے میں قرآن مجید کو کھولا گیا تو روشنی ہوگئی اس کے برعکس حضور ﷺ دنیا میں تشریف لائے تو آپ کی والدہ نے ایک نور دیکھا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔

بحوالہ دارمی، مشکوٰۃ، مسند امام احمد بن حنبل، تفسیر ابن کثیر، مستدرک حاکم، سیرت ابن ہشام، مختصر سیرۃ الرسول، سیرت حلبیہ، صحیح ابن حبان، تاریخ کبیر للبخاری ابن عساکر میں ہے۔

میری والدہ نے خواب میں دیکھا کہ میرے شکم میں جو بچہ ہے وہ نور ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جس دن رسول اکرم ﷺ مدینہ میں داخل ہوئے تو مدینے کی ہر چیز روشن ہوگئی۔

بحوالہ (جامع ترمذی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ، البدایہ والنہایہ، مستدرک حاکم، خصائص

کبریٰ)

حضرت ابوقرصافہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اور میری والدہ اور میری خالہ نے حضور ﷺ کی بت کی۔ واپسی پر میری والدہ اور خالہ نے کہا کہ اے بیٹے ہم نے حضور ﷺ جیسے خوبصورت چہرے والا' نرم کلام والا نہیں دیکھا' ہم نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے منہ مبارک سے نور نکلتا تھا۔ بحوالہ (خصائص کبریٰ' ابن عساکر)

خصائص کبریٰ میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: سحری کا وقت تھا میں سی رہی تھی کہ سوئی گم ہو گئی۔ حضور ﷺ تشریف لائے تو اتنی روشنی ہوئی کہ مجھے گم شدہ سوئی مل گئی۔

یہ تو بندہ ناچیز نے حضور ﷺ کے نور حسی کی چند دلیلیں دی ہیں کوئی قرآن مجید کے نور حسی پر دلیل دے دنیا میں۔ نور معنوی کو نور ماننا اور نور حسی بشری کو نور نہ ماننا اندھی جہالت ہے۔

حضور ﷺ کے نور حسی ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ کا سایہ نہیں تھا۔

(i) حضرت ذکوان فرماتے ہیں: حضور ﷺ کا سایہ سورج اور چاند کے سامنے نہ دیکھا جاتا۔ بحوالہ (خصائص کبریٰ' زرقانی)

(ii) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا۔ (مدارج النبوت' تفسیر مدارک' روح البیان)

(iii) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا سایہ نہ تھا۔ (الوفا' شرح الشمائل' سیرت حلبیہ' جمع الوسائل)

(iv) امام ابن سبع فرماتے ہیں کہ یہ آپ کے خصائص میں سے ہے کہ آپ کا سایہ زمین پر نہ پڑتا تھا۔ (زرقانی' خصائص کبریٰ)

(v) درج ذیل اسلاف کے نزدیک حضور ﷺ کا سایہ نہ تھا۔

(۱) عبد اللہ بن مبارک

(۲) محدث حافظ زریں رحمۃ اللہ علیہ

(۳) امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ

(۴) امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ

(۵) امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ

(۶) حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ

(۷) قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ

(۸) ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ

(۹) امام شہاب الدین خفاجی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۰) محدث عبد الرحمٰن ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۱) امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۲) حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۳) شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۴) قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۵) علامہ یوسف نبہانی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۶) مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ

(۱۷) مولانا عبد الرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۸) شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۶) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہاری طرف اللہ کی طرف سے نور آیا اور روشن کتاب آئی روشنی جس طرف سے آتی ہے وہ وہاں کی خبر دیتی اس لئے قرآن اور حبیب الرحمان اللہ کی خبر دینے والے ہوئے۔

(۱۷) نور روشنی کو کہتے ہیں اور روشنی اندھیرے کو توڑ ہوتی ہے۔ حق روشن ہے اور

باطل تاریک ہے۔ آپ نے حقائق کو عیاں کر دیا اور اندھیروں کو دور کر دیا اللہ کے اذن کے ساتھ۔

(۱۸) خارجیوں بدعتیوں کو اس بات پر توجہ کرنی چاہئے کہ جس ذات کو اللہ تعالیٰ نے سراج منیر کہا اسے نور کیوں نہیں کہا جا سکتا؟

(۱۹) اگر کوئی یہ کہے کہ آپ ﷺ صرف نور معنوی ہیں اور علم پھیلانے کی بنا پر آپ ﷺ کو سراجا منیرا کہا گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ کیا صحابہ کرام نے علم کی روشنی نہیں پھیلائی مگر انہیں سراج منیر نہیں کہا گیا بارہا صحابہ نے آپ ﷺ کے انوار کا مشاہدہ کیا جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ نور معنوی ہی نہیں بلکہ نور حسی بھی ہیں۔

(۲۰) آگے اللہ تعالیٰ نے واضح کیا کہ اللہ اس نور کے ذریعے ان لوگوں کو ہدایت عطا فرماتا ہے جو اس کی رضا کے مطابق چلنے والے ہیں اور وہی سلامتی کی راہ پر گامزن ہیں یعنی نور ہدایت سے درج ذیل اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

(i) جو رضائے الٰہی کے پیرو ہیں اللہ انہیں سلامتی کی راہ کی ہدایت فرماتا ہے۔

(ii) انہیں اپنے حکم سے تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی راہ پر ڈال دیتا ہے۔

(iii) انہیں سیدھی راہ کی طرف ہدایت دیتا ہے۔

یعنی

رضائے الٰہی ...... روشنی ...... ہدایت

کوے کا سبق سکھانا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِى الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِىْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ قَالَ يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِىَ سَوْءَةَ اَخِىْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ۝

آیت کے حوالہ جات

سورت کا نام	المآئدہ
سورت کا نمبر	۵
آیت نمبر	۳۱

آیت کا ترجمہ

پھر اللہ نے ایک کوا بھیجا جو زمین کریدنے لگا تا کہ اسے دکھائے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کس طرح چھپائے۔ (یہ دیکھ کر) اس نے کہا ہائے افسوس کیا میں اس کوے کی مثل بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا پس وہ ندامت زدہ ہونے والوں میں سے ہو گیا۔

نکتہ بیانی

(۱) قصہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا۔ یہی انسانیت میں پہلا قتل تھا۔ اب جو قتل ہوتا ہے اس کا گناہ قابیل کے کھاتے میں جاتا ہے یعنی جو کسی گناہ کی ابتدا کرے جتنے لوگ وہ گناہ کریں گے اس ابتداء کرنیوالے کے کھاتے میں جائیں گے۔

(۲) قابیل قتل کرنے کے بعد اپنے بھائی کی لاش کو اٹھائے پھر رہا تھا کہ اس کا کیا کرے اور اسے اس بارے میں کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ نے ایک کوے کو بھیجا جس نے قابیل کے سامنے زمین کو کریدا اور قابیل پر واضح ہوا کہ مردہ کو زمین کے اندر دفنا دینا چاہئے۔

(۳) اللہ رب العزت نے کوے کی بابت فرمایا: فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا پس اللہ نے کوا بھیجا۔ بھیجا وہ جاتا ہے جو پہلے سے موجود ہوتا ہے یعنی کوا پہلے سے موجود تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بھیجا اور اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے بھی بعث کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا مطلب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے سے موجود تھے جیسا کہ حدیث میں ہے: ''میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام پانی اور مٹی کے درمیان تھے''۔

نیز حسان بن ثابت نے کہا:

كانك قد خلقت كما تشاء

''گویا کہ آپ کو ایسے تخلیق کیا گیا جیسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاہا''۔

یاد رہے کہ چاہنا بعد میں ہوتا ہے اور ہونا یعنی وجود پہلے ہوتا ہے بشری وجود سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نورانی وجود تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''میں آدم علیہ السلام کی تخلیق سے چودہ ہزار سال پہلے اللہ کے ہاں نور تھا''۔

(۴) قابیل نے لاش دفنانے کے سلسلے میں کوے سے سبق سیکھا لہٰذا اس معاملے میں کوا قابیل کا استاد ہوا۔ چونکہ قابیل نے اپنے والد یعنی آدم علیہ السلام کی گستاخی کی کہ ان کے احکامات پر عمل نہیں کیا اور ظلم کرتے ہوئے اپنے بھائی کو جان سے مار ڈالا اس لئے اس کو تعلیم دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے کوئی فرشتہ نہیں بھیجا بلکہ ایک کوا بھیجا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بے ادب اور ظالموں کے اساتذہ کوے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خارجیوں کے نزدیک کوا حلال ہے کیونکہ ان کے اساتذہ کوے کی مانند ہیں۔

(۵) کوے کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

الغراب فاسق

''کوافاسق ہے''۔

چنانچہ اللہ نے فاسق کوفاسق کے ذریعے سکھایا۔

(۶) جب قابیل نے کوے کو دیکھا کہ وہ زمین کرید رہا ہے تو اس نے افسوس کرتے ہوئے کہا کہ میں اس کوے کی مثل بھی نہیں (شور میں)۔تو اگر اللہ تعالیٰ کوے کو بھیجے تو انسان اس کے علم کا مقابلہ نہ کر سکے تو اللہ نبی بھیجے تو کون اس کے علم کا مقابلہ کر سکتا ہے؟

(۷) ظلم وہ لوگ کرتے ہیں جن میں کوے جتنی بھی فراست اور سمجھ نہیں ہوتی۔

(۸) اللہ تعالیٰ نے دراصل کوا حضرت ہابیل کی لاش کو محفوظ کرنے کی خاطر بھیجا اور ان کی لاش کی حفاظت مقصود تھی چونکہ وہ حق پر تھے اور اس طرح انہیں شہادت نصیب ہوئی۔

(۹) قرآن کہتا ہے کہ قابیل ندامت اٹھانے والوں میں سے ہو گیا یعنی اس سے پہلے ندامت زدہ ابلیس تھا جس نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کیا۔

(۱۰) قابیل نے اپنے بھائی کے قتل پر ندامت نہیں کی بلکہ اپنی عقل پر ندامت کی کہ میں شعوری لحاظ سے کوے جیسا بھی نہیں ہوں کہ جو بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی وہ کوے نے سمجھا دی۔

(۱۱) انسان اشرف المخلوقات ہے لیکن جب یہ اسفل سافلین ہو جائے تو اس کی ذہنی سطح کوے اور جانوروں سے بھی نیچے ہو جاتی ہے۔

نبی کے دشمن

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ○

آیت کے حوالہ جات

سورت کا نام	الانعام
سورت کا نمبر	۶
آیت نمبر	۱۱۲

آیت کا ترجمہ

اور اسی طرح ہم نے انسانوں اور جنوں میں سے شیطانوں کو ہر نبی کے لئے دشمن بنایا جو ایک دوسرے کے دل میں چکنی چپڑی باتیں (وسوسے) دھوکہ دینے کے لئے ڈالتے رہتے ہیں اور اگر آپ کا رب چاہتا تو وہ ایسا نہ کر پاتے پس آپ انہیں چھوڑ دیں اور جو کچھ وہ بہتان باندھ رہے ہیں (اس کی پرواہ نہ کریں)

دوسری آیت

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا○ (الفرقان ۲۵، آیت ۳۱)

آیت کا ترجمہ

''اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لئے مجرموں میں سے دشمن بنائے اور آپ کا رب ہدایت اور مدد کے لئے کافی ہے''۔

نکتہ بیانی

(۱) اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ رہا ہے کہ اس نے ہر نبی کے لئے انسانوں اور جنوں میں سے شیطانی سوچ رکھنے والوں کو دشمن بنا دیا۔ وہ دشمن کیا کرتے ہیں؟ واضح کیا گیا کہ وہ ایک دوسرے کے دل میں وسوسے اور بظاہر ملمع کاری کی گئی باتیں ڈالتے ہیں اور ان کی یہ تیاریاں دھوکہ دینے کے لئے ہوتی ہیں وہ وسوسے کے ذریعے دھوکہ دیتے ہیں مثال کے طور پر نبی کے ناموس، علم، نورانیت، شان نبوت اور عظمت کی بابت دھوکہ دے کر انسانوں کو راہ ہدایت سے ہٹاتے ہیں۔

(۲) نبی کے دشمن دو طرح کے ہیں۔

کافر دشمن اور مجرم دشمن، اور مجرم منافقین کفار اور کلمہ پڑھنے والوں میں بھی ہو سکتے ہیں۔

(۳) ہر نبی کے دشمن خواہ وہ کلمہ گو دشمن ہو یا کافر و مشرک اور منافقین ہوں خواہ وہ انسان ہوں یا شیطان وہ دشمن اللہ تعالیٰ نے خود بنائے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے ذہن و دماغ میں نبی کی دشمنی ڈال دی جاتی ہے اور یہ دشمنی درجہ بدرجہ بڑھتی ہے۔

فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ''پس اللہ نے ان کے مرض کو بڑھا دیا''۔

(۴) ملزم وہ ہوتا ہے جس پر الزام ہو خواہ وہ درست نہ ہو اور مجرم وہ ہوتا ہے جو جرم کا ارتکاب کرتا ہے۔

(۵) دشمن دشمنی کے لحاظ سے درج ذیل ہوتے ہیں۔

(i) جان کا دشمن   (ii) مال کا دشمن

(iii) عزت و عظمت کا دشمن   (iv) ایمان کا دشمن

پھر اس دشمنی کو ظاہر کے لحاظ سے یوں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(i) دوست نما دشمن یا پوشیدہ دشمن (ii) کھلا دشمن یا واضح دشمن

(۶) اللہ تعالیٰ نے جیسے دیگر انبیاء علیہم السلام کے دشمن بنائے ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھی دشمن بنائے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دشمنوں کی ایذاء سے حفاظت کی ضمانت دی۔ چنانچہ فرمایا:

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ

''اور اللہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انسانوں (کی دشمنی کے حملوں) سے بچا کے رکھے گا''۔

(۷) اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن بنائے لیکن وہ آپ کا کچھ بگاڑ نہ سکے اور نہ سکیں گے۔ پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دشمن بنائے کیوں جبکہ وہ کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ اس لئے کہ اگر دشمن نہ ہوں تو دوستوں کی پہچان کیسے ہوگی۔ دوسرے دشمن آپ کی عزت وعظمت پر جتنی عیب جوئی کریں گے آپ کے عاشق اتنے ہی زیادہ جذبے سے آپ کی عظمت کے ڈنکے بجائیں گے یوں آپ کا بول بالا ہوگا اور وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کی عملی تصویر عیاں ہوگی اگر ابو جہل کا بغض نہ ہو تو صدیق کی الفت کیسے پہچانی جائے؟ اگر ابولہب کی دشمنی نہ ہو تو عمر رضی اللہ عنہ کا جذبہ عشق کیسے سامنے آتا۔

(۸) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت وعظمت کے دشمن اس دور میں بھی تھے ان میں کلمہ گو لوگ بھی شامل تھے اور موجودہ دور میں بھی کلمہ گو ستاخ رسول موجود ہیں۔ آیا عزت و عظمت کا منکر مجرم کیسے کردار اور علامات سے پہچانا جاتا ہے اس حدیث پر غور کیجئے جسے امام بخاری نے صحیح بخاری میں نقل کیا ہے۔

حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یمن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں چمڑے کے تھیلے میں بھر کر کچھ سونا بھیجا جس سے ابھی تک مٹی بھی صاف نہیں کی گئی تھی وہ سونا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چار آدمیوں میں تقسیم فرما دیا۔ عینیہ بن بدر، اقرع بن حابس، زید بن خیل اور چوتھے علقمہ یا عامر بن طفیل کے درمیان، اس پر

آپ ﷺ کے اصحاب میں سے کسی نے کہا ان لوگوں سے ہم تو زیادہ حقدار تھے۔ جب یہ بات حضور ﷺ تک پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم مجھے امانت دار نہیں سمجھتے؟ حالانکہ آسمان والوں کے نزدیک تو میں امین ہوں اس کی خبریں تو میرے پاس صبح شام آتی رہتی ہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر ایک آدمی کھڑا ہوا جس کی آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئیں، رخساروں کی ہڈیاں ابھری ہوئیں، اونچی پیشانی، گھنی داڑھی، سر منڈا ہوا اور اونچا تہبند باندھے ہوئے تھا وہ کہنے لگا: یارسول اللہ! (اس کا مطلب ہے وہ کلمہ گو تھا) خدا سے ڈریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو ہلاک ہو کیا میں تمام اہل زمین سے زیادہ خدا سے ڈرنے کا مستحق نہیں ہوں؟ پس جب وہ آدمی جانے کے لئے مڑا تو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں اس کی گردن نہ اڑا دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ایسا نہ کرو شاید یہ نمازی ہو۔ حضرت خالد نے عرض کیا: بہت سے ایسے نمازی بھی تو ہیں کہ جو کچھ ان کی زبان پر ہے، وہ دل میں نہیں ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا ہے کہ میں لوگوں کے دلوں میں نقب لگاؤں اور ان کے پیٹ چاک کروں۔ راوی کہتے ہیں کہ وہ پلٹا تو آپ ﷺ نے پھر اس کی جانب دیکھا تو فرمایا: اس کی پشت سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اللہ کی کتاب کی تلاوت سے زبان تر رکھیں گے لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے سے نہیں اترے گا دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے پار نکل جاتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر میں ان لوگوں کو پاؤں تو قوم ثمود کی طرح انہیں قتل کر دوں"۔

دوسری متفق علیہ حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں:

"تم ان کی نمازوں کے مقابلے میں اپنی نمازوں کو حقیر جانوں گے اور ان کے روزوں کے مقابلے میں اپنے روزوں کو حقیر جانوں گے"۔

ان احادیث سے درج ذیل نکات قابل غور ہیں۔

(i) کسی حدیث میں کلام کرنے والے کی اتنی نشانیاں بیان نہیں کی گئیں جتنی راوی

نے بیان کی ہیں وہ اس لئے کہ گستاخ کی پہچان ہو سکے۔

(ii) کسی کو یہ کہنا کہ "اللہ سے ڈر" بذات خود کوئی گالی نہیں لیکن خالد رضی اللہ عنہ بن ولید نے گوارا نہ کیا اور اس کی گردن اڑانے کے لئے تیار ہو گئے کیونکہ اس گستاخ نے حضور اکرم ﷺ کی ذات میں صفت تقویٰ کی کمی سمجھی چنانچہ نبی کی کسی خوبی و اوصاف میں کمی کرنا، سمجھنا، لکھنا صریح گستاخی ہے۔

جو مشکوک سمجھے فیصلہ رسول کا
وہی تو دراصل ہے شاتم رسول کا

(iii) کسی کو بھی تبلیغ کرنا اچھا عمل ہے اور کسی کو اچھی بات کہنا اچھا عمل ہے کسی کو یہ کہنا کہ اللہ سے ڈرو، تبلیغ ہے لیکن نبی اکرم ﷺ کو تبلیغ کرنا کفر ہے تبلیغ وہاں کی جاتی ہے جہاں کسی عمل کی کوتاہی، لاپرواہی یا کمی ہو چنانچہ جو نبی کو تبلیغ کرتا ہے وہ نبی میں اس چیز کی کمی اور لاپرواہی سمجھتا ہے اور نبی کے عمل، علم، اخلاق، عظمت، رفعت، سیرت، نورانیت و بشریت کسی بھی وصف میں کمی سمجھنا کفر اور شان رسالت میں واضح گستاخی ہے۔

(iv) اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ گستاخ رسول واجب القتل ہے۔

(v) گستاخوں کا ظاہری شناختی کارڈ اور پہچان کی یہ علامات ہیں ان میں سے چند بھی ہو سکتی ہیں اور ساری بھی۔

(ا) آنکھوں کا اندر دھنسے ہونا۔

(ب) رخساروں کی ہڈیاں ابھری ہوئی ہونا۔

(ج) پیشانی کا اونچا ہونا۔

(د) داڑھی گھنی ہونا۔

(ذ) سر منڈا ہونا۔

(ر) تہبند اونچا ہونا۔

(س) کتاب اللہ کی تلاوت کرنا مگر حلق سے نیچے نہ جانا۔

(ش) نماز پر سختی سے کاربند رہنا۔

(ص) روزے پابندی سے رکھنا۔

(ض) اسلام میں ہوتے ہوئے اسلام سے باہر نکلنا۔

(ط) اپنے فرسودہ اور گستاخانہ عقائد کے عام مسلمانوں پر تیر چلانا۔

(ظ) حضور ﷺ کا انہیں خارجی قرار دینا اور ان کے قتل کی خواہش کرنا۔

(ع) اس کی نسل منتقل ہونا۔

(۹) اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ سے فرمایا کہ آپ ان (دشمنوں) کو چھوڑ دیں اور ان کے بہتانوں کی پرواہ نہ کریں۔

(۱۰) رسول اللہ ﷺ کی عزت وعظمت کے دشمن حضور ﷺ کے بارے میں کیا کچھ کہتے ہیں ان میں سے چند باتیں ذکر کی جاتی ہیں۔

(i) سب انبیاء واولیاء اللہ کے نزدیک ذرہ ناچیز سے بھی کم تر ہیں۔

(تقویۃ الایمان)

(ii) رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ تقویۃ الایمان، ص ۵۸

(iii) جو بشر کی سی تعریف ہو سو اتنی کرو اس میں بھی کمی کرو (تقویۃ الایمان ۵۸)

(iv) زنا کے وسوسہ سے اپنی بیوی کی مجامعت کا خیال بہتر ہے اور بزرگوں کی طرف خواہ وہ رسالت مآب ﷺ ہی کیوں نہ ہو اپنی ہمت (سوچ) کو لگا دینا بیل اور گدھے کی صورت میں گم ہونے سے برا ہے۔ (صراط مستقیم مکتبہ سلفیہ)

(v) حضور ﷺ سے شیطان اور موت کے فرشتے کا علم زیادہ ہے۔

(براہین قاطعہ، ص ۵۵)

(vi) مجلس مولود (میلاد) بدعت ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ)

؎ کیسے کیسے بے ادب گزرے ہیں یااللہ
ان برے عقائد سے کہتا ہوں معاذ اللہ

عمل اور درجہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ○

آیت کے حوالہ جات

سورت کا نام	الانعام
سورت کا نمبر	٦
آیت نمبر	۱۳۲

آیت کا ترجمہ

"اور ہر ایک کے لئے ان کے اعمال کے مطابق درجے ہیں' اور آپ کا رب ان کاموں سے بے خبر نہیں جو وہ کرتے ہیں"۔

نکتہ بیانی

(۱) ولکل کے الفاظ واضح کر رہے ہے کہ عمل کے حوالے سے برابر اجر کے مستحق ہوں گے۔ نیک و بد عمل کے معاملے میں نسب کو اہمیت نہیں دی گئی۔ خواہ کوئی شخص معاشرے میں بسنے والوں کے نزدیک خاندانی لحاظ سے کم تر سمجھا جاتا ہو لیکن عمل کے معاملے میں وہ اچھے سے اچھے خاندان کے ساتھ مساوی طور پر شریک ہوگا۔

(۲) بارگاہ رب العزت میں عمل کو دو طرح کے انداز سے دیکھا جاتا ہے۔

(i) عمل کی مقدار

(ii) عمل کا معیار

دس رکعت' بارہ رکعت نفل راہ للہ دس ہزار' پندرہ ہزار خرچ کرنا عمل کے تعداد اور

مقدار کی نشاندہی ہے اس میں عمل کا شمار کیا جاتا اس کی کیفیت کو تولا نہیں جاتا۔ جبکہ عمل کے معیار سے مراد اس عمل میں پایا جانے والا اخلاص، تقویٰ اور عاجزی وانکساری خشوع وخضوع شامل ہیں۔ مثال کے طور پر دو افراد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دو دو رکعت نوافل ادا کرتے ہیں تو ان میں سے جو زیادہ خشوع وخضوع کے ساتھ اور آداب عاجزی بجالائے گا، وہ زیادہ اجر کا حقدار ہوگا۔

(۳) اللہ تعالیٰ کے ہاں درجے کا اعتبار عمل کے موافق ہے یعنی

درجہ = عمل

اعلیٰ عمل = اعلیٰ درجہ

ادنیٰ عمل = ادنیٰ درجہ

؎ عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری

بعض اہل بدعت اور خارجی کہتے ہیں کہ ''امتی عمل میں نبی سے آگے بڑھ سکتا ہے'' اگر اسے تسلیم کیا جائے تو لازم آئے گا کہ امتی درجے میں بھی نبی سے بڑھ جائے گا کیونکہ قرآنی فارمولے کے مطابق جس کا عمل جتنا ہے اس کا درجہ بھی اتنا ہے۔

(۴) اسلام میں عمل کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس کا عمل اسے پیچھے کردے اس کا نسب اسے آگے نہیں کر سکتا''۔

(۵) عمل پر تقویٰ ضرور اثر انداز ہوتا ہے اور تقوے بدولت عمل کا معیار بلند ہو جاتا ہے۔

(٦) اللہ تعالیٰ نے عمل کے اعتبار سے درجہ عطا کرتا ہے لہٰذا وہ کسی کے عمل سے غافل نہیں ہے۔

پہلا مسلمان حبیب خدا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قُلۡ اِنَّ صَلَاتِیۡ وَ نُسُکِیۡ وَ مَحۡیَایَ وَ مَمَاتِیۡ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝
لَا شَرِیۡکَ لَہٗ ۚ وَ بِذٰلِکَ اُمِرۡتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ۝

آیات کے حوالہ جات

سورت کا نام	الانعام
سورت کا نمبر	۶
آیت نمبر	۱۶۲‘۶۳

آیات کا ترجمہ

فرما دیجئے کہ میری نماز‘ میرا حج اور قربانی‘ میری زندگی اور میری موت اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔
اس کا کوئی شریک نہیں اور اسی (پیغام پہنچانے) کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔

نکتہ بیانی

(۱) اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ ﷺ نے اہل عالم کے سامنے یہ اعلان کیا کہ میری نماز‘ میرا حج اور قربانی یعنی جملہ عبادات میری تمام زندگی اور موت اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ یعنی ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ جملہ عبادات بھی اللہ کے لئے ہوں اور نہ صرف عبادات بلکہ پوری زندگی‘ موت تلک اللہ تعالیٰ کی رضا ارمشیت میں گزرے اور یہی کامل ایمان کا تقاضا ہے۔

(۲) عبادات کا تسلسل انسان کو اس مقام پر پہنچا دیتا ہے کہ پھر وہ اپنے تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ کی رضا کا طلبگار رہتا ہے جیسا کہ انبیاء اور صحابہ کی زندگیاں تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کی بابت فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رضا کو تلاش کرتے ہیں۔ یعنی ہمہ وقت وہ اسی فکر میں لگے رہتے ہیں کہ اللہ کی رضا کس عمل میں ہے وہ عمل بجا لایا جائے ایسے لوگوں کی بابت قرآن نے کہا کہ اللہ ان پر راضی ہے اور وہ اللہ پر راضی ہیں یوں مقام بندگی عروج پاتا ہے۔

ع خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

(۳) یہاں بات ہو رہی ہے کامل بندگی اور کامل توحید کی اور اس کی توحید کامل ہے جس کا انداز حیات ایسا ہو کہ

جملہ عبادات + زندگی + موت = توحید کامل

(۴) زندگی مختلف افعال و اعمال کا مجموعہ ہوتی ہے انسانی افعال کے پیچھے کوئی نہ کوئی محرک کارفرما ہوتا ہے۔ اگر کوئی غصہ کرتا ہے تو اس کے پیچھے کوئی محرک ہوگا۔ اگر وہ خوش ہوتا ہے تو پیچھے کوئی نہ کوئی محرک ہوگا۔ دراصل افعال وجود میں آنے سے پہلے انسانی ذہن میں جنم لیتے ہیں پھر ان کے اثرات اعضاء پر مرتب ہوتے ہیں اور پھر افعال رونما ہوتے ہیں اور اگر صفت محرکہ ہی اللہ کی رضا کے موافق ہو جائے تو افعال بھی از خود رضائے ربانی کے مطابق واقع ہوں گے۔ پھر ہر فعل کا محرک اللہ تعالیٰ کی رضا ہوگی یوں خواہش نفس ختم ہوگی اور نفس انسانی نفس مطمئنہ کے مقام پر فائز ہو جائے گا اور اس مقام نفس تک پہنچے پھر وہ یہ مژدہ سنے گا کہ میرے بندوں میں شامل ہو جا اور قرآنی بیان کے مطابق پیغام ملے گا کہ میری جنت میں داخل ہو جا۔

(۵) زندگی دنیا میں آنے کی ابتداء ہے یعنی ولادت سے زندگی کا ظہور ہوتا ہے اور موت پر زندگی یعنی دنیاوی زندگی کا اختتام ہوتا ہے درمیانی عرصہ بالعموم بلوغت سے

شروع ہوتا ہے اور بڑھاپے پر ختم ہوتا ہے۔ اس عرصہ میں انسان سے مختلف افعال وقوع پذیر ہوتے ہیں جنہیں مجموعی طور پر انسان کا کردار یا سیرت کہا جاتا ہے یعنی

مجموعی افعال = سیرت

اعمال کے حسن سے سیرت میں حسن پیدا ہوتا ہے۔ سیرت کا یہ حسن بندے کو خدا کا ولی بنا دیتا ہے۔

(۶) جب بندہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا طلب بن جاتا ہے تو اس میں یہ وصف بھی پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ٹوٹ کر محبت کرتا ہے اور ایمان کامل کی یہی نشانی ہے۔ قرآن کے مطابق:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ

''اور جو ایمان والے ہیں اللہ سے شدید محبت کرتے ہیں''۔

زندگی ایک قیمتی متاع ہے اور انسان اپنی زندگی کو بچانے کے لئے کیا کچھ نہیں کرتا لیکن جب وہ صحیح معنی میں اللہ تعالیٰ کا محب بن جاتا ہے اور اللہ کی محبت تمام محبتوں پر غالب آ جاتی ہے۔ تب بندہ رضائے الٰہی کے لئے جان دینے سے بھی ذرہ برابر پیچھے نہیں ہٹتا بلکہ رب کے ذات پر زندگی کو قربان کر کے موت کو سینے سے لگا دیتا ہے۔

(۷) جملہ عبادات اللہ کی رضا کے لئے ہونی چاہئیں یہ عبادات بندے اور مولا کے درمیان تعلق اور رابطے کو مضبوط بناتی ہیں اور بالآخر خواہشات نفس کو معدوم کر دیتی ہیں اور رضائے الٰہی کو بندے کے دل میں ودیعت کر دیتی ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ بندہ وجود رکھتے ہوئے بھی درحقیقت بے وجود ہوتا ہے اور حالت یہ ہوتی ہے۔

میں وی توں تے توں وی توں

(۸) سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بندہ یہ سب کچھ کیوں کرتا ہے دنیاوی عیش و عشرت کو کیوں ترک کر دیتا ہے؟ اپنی خواہشات کو کیوں معدوم کرتا ہے دنیاوی لذات سے ہمکنار کیوں نہیں ہوتا جبکہ یہ تمام سامان اسے میسر ہوتا ہے پھر وہ ایسا کیوں کرتا ہے؟

درحقیقت وہ ایک بہت بڑی کامیابی کی طرف گامزن ہوتا ہے اور آیت کے مطابق وہ اپنی نماز و حج اور قربانی جمیع افعال اس لئے بجالاتا ہے کہ اس کا یقین ہوتا ہے کہ تمام جہانوں کا پروردگار اللہ ہے جب مجھے وجود اسی نے بخشا ہے اور اسی نے میرے وجود کی نشوونما کے لئے اسباب مہیا کئے ہیں تو میں ان اسباب دنیا میں گم سم رہ کر اس کی بارگاہ سے منقطع کیوں ہو جاؤں اور اپنے پالنے والے کی طرف متوجہ کیوں نہ ہو جاؤں کیونکہ تمام اسباب فانی ہیں اور اسی کی ذات باقی ہے۔

ع تیری رضا کا دم بھرنا ہے تیرے لئے
جینا ہے تیرے لئے مرنا ہے تیرے لئے

(۹) بندگی کا اہم تقاضا یہ بھی ہے کہ اسباب کو اصل نہ مانا جائے اور ان پر بھروسہ نہ کیا جائے بلکہ مسبب الاسباب پر توکل کی جائے۔ تمام عبادات دراصل بندے کی عملی گواہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ آیت سے یہ بھی عندیہ ملتا ہے کہ انہیں لوگوں کی توحید کامل ہے اور انہیں کا ایمان پختہ اور مضبوط ہے جو طاعت الٰہی کے خوگر ہیں اور اس کی رضا کے لئے عبادات کو بجالاتے ہیں اور زندگی اللہ کی رضا کی خاطر گزارتے ہیں اور موت بھی اس کی توحید پر ایقان کے ساتھ مانگتے ہیں۔

(۱۰) بندگی کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ جس پروردگار کے لئے اپنی زندگی موت تک وقف کردی جائے پھر ضروری ہے کہ اس کے پیغام تو آگے تک پہنچایا جائے۔ ویسے بھی جب بندے کے دل میں محبت الٰہی سرائت کر جائے گی وہ اس کے مشن کا پیغام رساں بھی بن جائے گا اس کے اس پیغام تبلیغ کو احسن قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ○

''اور اس سے اچھی بات کس کی ہو سکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک

عمل کرے اور کہے بے شک میں مسلمانوں میں سے ہوں''۔

اس آیت کا درج ذیل فارمولا ہے۔

قول احسن = دعوت الی اللہ + عمل صالح + اسلام پر استقامت

صفت تبلیغ کی وجہ سے اس امت کو بہترین امت قرار دیا گیا ہے۔

(۱۱) حضور ﷺ نے یہ اعلان فرمایا کہ میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔ اس آیت کا تقاضا ہے کہ آپ ﷺ اول المخلوق ہیں اس آیت کی تائید درج ذیل احادیث سے ہوتی ہے۔

(i) اول ماخلق اللہ نوری

''اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرا نور پیدا فرمایا''۔

(جواہر البحار، روح البیان، انفاس رحیمیہ، تفسیر حسینی، مکتوبات مجدد الف ثانی، فیوض الحرمین، فتاویٰ مہریہ، مجربات امام غزالی، مدارج النبوت، معارج النبوت، تفسیر روح المعانی، شواہد النبوت، فتاویٰ رشیدیہ، عطر الوردہ، ذکر النبی)

(ii) امام بخاری کے استاد محدث عبد الرزاق اپنی مصنف میں روایت کرتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ مجھے خبر دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے کس چیز کو پیدا فرمایا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

یاجابر ان اللہ تعالی خلق قبل الاشیاء نور نبیک من نورہ

''اے جابر! بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور (کے فیض) سے پیدا فرمایا''۔

(مواہب الدنیہ، فتاویٰ حدیثیہ، تفسیر روح المعانی، نشر الطیب، مواعظ میلاد النبی، ذکر النبی، امداد الفتویٰ، جواہر البحار، مدارج النبوت، سیرت حلبیہ، معارج النبوت، حجۃ اللہ علی العالمین، نزہت المجالس، نور و بشر، مجربات امام غزالی)

(iii) کنت نورا بین یدی ربی قبل خلق الادم باربعۃ الف عام

''میں حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے چودہ ہزار سال پہلے اپنے رب کے ہاں ایک نور تھا''۔

(المورد الروی' مواہب للدنیا' زرقانی' حجۃ اللہ علی العالمین' نشر الطیب' ذکر النبی' نور و بشر' جواہر البحار)

(iv) کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد

''میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام روح اور جسم کے مابین تھے''۔

(جامع ترمذی' مشکوٰۃ' زرقانی' دلائل النبوت' تفسیر مظہری' الخصائص الکبریٰ' مدارج النبوت' تفسیر در منثور' البدایہ والنہایہ' شفاء)

(v) کنت نبیا و ادم بین الماء والطین

''میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام پانی اور مٹی کے مابین تھے''۔

(شواہد النبوت' در منثور' جواہر البحار' نسیم الریاض' اشعۃ اللمعات)

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیدارِ الٰہی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَلَمَّا جَآءَ مُوۡسٰی لِمِیۡقَاتِنَا وَ کَلَّمَہٗ رَبُّہٗ قَالَ رَبِّ اَرِنِیۡۤ اَنۡظُرۡ اِلَیۡکَ ؕ قَالَ لَنۡ تَرٰىنِیۡ وَلٰکِنِ انۡظُرۡ اِلَی الۡجَبَلِ فَاِنِ اسۡتَقَرَّ مَکَانَہٗ فَسَوۡفَ تَرٰىنِیۡ فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّہٗ لِلۡجَبَلِ جَعَلَہٗ دَکًّا وَّخَرَّ مُوۡسٰی صَعِقًا ۚ فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبۡحٰنَکَ تُبۡتُ اِلَیۡکَ وَاَنَا اَوَّلُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ○

آیت کے حوالہ جات

سورت کا نام	الاعراف
سورت کا نمبر	۷
آیت نمبر	۱۴۳

آیت کا ترجمہ

”اور جب موسیٰ علیہ السلام ہمارے (مقررہ) وقت پر حاضر ہوا اور اس کے رب نے اس سے کلام کیا تو عرض کرنے لگا: اے رب مجھے (جلوہ) دکھا کہ میں تیرا دیدار کرلوں، ارشاد ہوا تم مجھے نہیں دیکھ سکتے مگر پہاڑ کی طرف نظر کرو پس اگر وہ اپنی جگہ ٹھہرا رہا تو عنقریب تم مجھے دیکھ لو گے۔ پھر جب اس کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی اسے ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ پھر جب اسے افاقہ ہوا تو عرض کرنے لگا میں تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں اور میں سب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں“۔

نکتہ بیانی

(۱) کلیم اللہ کے لئے اللہ سے ہمکلام ہونے کے لئے جگہ اور وقت مقرر تھا لیکن حبیب اللہ ﷺ کا حال یہ ہے کہ آپ اپنے رب کے ہاں راتیں گزارتے وہ آپ کو کھلاتا بھی پلاتا بھی نیز وحی کے حصول کے لئے آپ ﷺ کے لئے کوئی خاص جگہ مقرر نہ تھی۔ آپ ﷺ جہاں ہوتے وحی وہاں آتی۔ آپ ﷺ مکہ میں تھے تو قرآن مکہ میں اترتا آپ غار حرا میں تھے تو قرآن وہاں نازل ہوتا۔ آپ ﷺ مدینہ چلے گئے تو قرآن مدینہ میں نازل ہوا۔

(۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے دیدار کی خواہش کی۔ اللہ کے دیدار کی خواہش سنت کلیمی ہے اور جو اللہ سے ملنا پسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے ملاقات کو پسند کرتا ہے۔ اللہ کے دیدار کی خواہش محبت الہیہ کا نمایاں عنوان ہے۔ شاید ہی کوئی ایمان والا ہو جس کے دل میں یہ خواہش نہ ہو یہ الگ بات کہ کوئی اس کا اظہار کرتا ہے اور کوئی اسے دل میں پوشیدہ رکھتا ہے۔

(۳) کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کلام ربانی کی چاشنی اور لذت کی بدولت دیدار کی تمنا کی یا پھر اس پروردگار کے کمالات عالم اور اس کی الوہیت کی جلالت دیکھنے کے لئے یہ تو موسیٰ علیہ السلام اور خدا کو بہتر معلوم ہے کہ اس خواہش کا محرک کیا تھا مگر دل کہتا ہے کہ وہ جلالت الہیہ کا مشاہدہ کرنا چاہتے تھے وہ بھی از روئے محبت ایمان اسی وجہ سے شاید بے ہوش ہو گئے۔

(۴) خواہش و ارادہ کے دو پہلو ہیں یا تو ارادہ بندے کی طرف سے عیاں ہوتا ہے یا پھر مولا کی طرف سے جب ارادہ مولا کی طرف سے ہو تو اس امر کا اہتمام بھی مولا خود فرماتا ہے جیسا کہ ہمارے نبی اکرم ﷺ کی معراج کا واقعہ ہے اس عمل میں ارادہ مولا کی طرف سے ہوا چنانچہ جبرائیل نے آ کر عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی ملاقات کا مشتاق ہے۔ مشاہدے میں اول آنکھ کا کردار ہوتا ہے اور بعد میں دل کا دونوں قائم رہیں تو

مشاہدہ ہو جاتا ہے۔اب صحیح بخاری کی روایت پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

''حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''میں مکہ میں تھا کہ میرے مکان کی چھت کھولی گئی اور جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے میرا سینہ کھولا گیا پھر اسے آب زمزم سے دھویا گیا پھر سونے کا ایک طشت لایا گیا جو حکمت و ایمان سے بھرا ہوا تھا اور وہ میرے سینے میں انڈیل دیا گیا پھر اسے بند کر دیا گیا پھر میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے آسمان کی طرف لے چڑھے الخ''۔

درج بالا حدیث میں یہ امور قابل توجہ ہیں۔

(i) جبرئیل امین چھت کھول کر کیوں آئے دروازے کے راستے داخل کیوں نہ ہوئے وحی لانے کے لئے تو کبھی ایسا نہ ہوا دراصل واقعہ معراج عجیب واقعہ ہے تو اس کی ابتدا بھی عجیب انداز سے کی گئی۔

(ii) آپ ﷺ کا سینہ کھولا گیا پھر اسے آب زمزم سے دھویا گیا۔آیا معاذ اللہ آپ ﷺ کا سینہ مبارک پاکیزہ نہ تھا کہ اسے دھویا گیا بات یہ ہے کہ یہ اعزازی غسل تھا جیسے رواج ہے کہ دولہا نہایا ہو تو پھر بھی اسے عروسی کا غسل دیا جاتا ہے۔اسی طرح کوئی کتنا بھی صاف ستھرا ہو جمعہ کے دن غسل کرنا سنت ہے۔

(iii) اگلی بات نہایت قابل غور ہے کہ پھر سونے کا ایک طشت لایا گیا جو حکمت اور ایمان سے بھرا ہوا تھا اسے میرے سینے میں انڈیل دیا گیا اور پھر اسے بند کر دیا گیا۔

میں پوچھتا ہوں کہ کیا حضور ﷺ کی ذات میں ایمان اور حکمت کی کمی تھی؟ جبکہ آپ ﷺ کے حصول کے لئے خلیل اللہ نے اللہ تعالیٰ سے جو دعا مانگی اس میں حکمت کا بھی ذکر ہے۔نیز اللہ نے بھی جب آپ ﷺ کے مبعوث ہونے کی بات کی تو اس میں بھی حکمت کا ذکر ہے اور سب سے پہلے مومن و مسلمان بھی آپ ﷺ ہیں۔جو بات مجھ ناچیز کی سمجھ آتی ہے وہ یہ ہے کہ چونکہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کرنا تھا اس لئے دل کو وہ طاقت دی گئی کہ آپ ﷺ ان تجلیات کو برداشت کر سکیں جیسے ہیوی

کرنٹ گزارنا ہو تو تار حسب حال تبدیل کر دی جاتی ہے۔

ایمان سے مراد یہاں استطاعت امن یعنی استقامت کی صلاحیت مراد ہے جبکہ حکمت سے یہاں مراد مناسب احوال میں مشاہدات کی فراست چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا لب اطہر اس قدر قوی تھا کہ تجلیات کے ورود کے باوجود ثابت قدم رہا اور آنکھیں بھی خیرہ تک نہ ہوئیں۔ حکمت کا تعلق شعور کے ساتھ ہے اور شعور بدستور قائم رہا۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ تم مجھے نہیں دیکھ سکتے، بعض کم فہم لوگ اس سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار محال ہے۔ میں کہتا ہوں یہ آیت رویئت باری تعالیٰ کا اثبات پیش کر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلیم علیہ السلام سے یہ فرمانا کہ تم مجھے نہیں سکتے ہو اس بات کی تائید کرتا ہے کہ میرا دیدار ممکن ہے اب اس فارمولے پر غور کریں۔

تم مجھے نہیں دیکھ سکو گے

اس جملے میں تم سے مراد موسیٰ علیہ السلام ہیں اور نہیں سے مراد ان کے دیدار خدا کرنے کی نفی ہے یعنی جملے میں ''تم'' اور نہیں کا ربط ہے اب اس کو ختم کریں تو فارمولا یہ ہوگا۔

تم مجھے نہیں دیکھ سکو گے

تم پر X لگا اور نہیں پر X لگائیں تو جملہ یوں بنے گا۔

''مجھے دیکھ سکو گے''۔ اللہ تعالیٰ نے مطلقاً رویت کی نفی نہیں کی اور نہ اپنی قدرت کی نفی کی کہ میں تجھے دیدار نہیں کرا سکتا یا کوئی مجھے نہیں دیکھ سکتا۔

(۶) اللہ تعالیٰ نے رویت کے معاملے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک بات مشروط کر دی کہ پہاڑ کی طرف دیکھو اگر وہ اپنی جگہ قائم رہے گا تو تم مجھے دیکھ سکو گے۔ یہ بھی مشاہدہ کا متحمل نہ ہونے کا مشاہدہ کروانا تھا' کیا اللہ تعالیٰ کو معلوم نہ تھا کہ پہاڑ اپنی جگہ قائم نہیں رہ سکے گا لیکن موسیٰ علیہ السلام کی تسلی کے لئے انہیں تجرباتی مشاہدہ کروانا مقصود تھا کہ لن ترانی کے معنی عملاً اور مشاہدۂ کلیم پر واضح ہو جائیں۔

دوسرے ممکن ہے کہ وہ تجلی بلا واسطہ موسیٰ علیہ السلام پر آتی تو شاید معاملہ بے ہوشی سے بھی

بڑھ جاتا اس لئے درمیان میں پہاڑ کو لایا گیا۔

چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو وہ ریزہ ریزہ ہو گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ تفسیر قرطبی میں ہے کہ کوہ طور کے ساتھ پانچ پہاڑ اور بھی تھے جو تجلی گرنے پر اڑ کر تین یمن میں اور دو موجودہ سعودی عرب میں جا گرے لیکن جس پہاڑ پر تجلی گری گرچہ وہ ریزہ ریزہ ہوا لیکن اپنی جگہ قائم رہا کیونکہ وہ نبی کے قدموں کے نیچے تھا۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابو بکر صدیق و عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان غنی کے ساتھ احد پہاڑ پر گئے تو وہ ہلنے لگا آپ سے فرمایا: ٹھہر جا تیرے اوپر ایک نبی ایک صدیق اور دو شہید ہیں یہ وہ پہاڑ ہے جس کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں کیا وہ خوف سے کانپا محبوب کی آمد پر خوف کیونکر آتا ہے بلکہ خوشی اور مسرت ہوتی ہے چنانچہ احد کا ہلنا اس کا خوشی میں وجد سے جھومنا تھا۔

(۷) حضرت موسیٰ علیہ السلام تجلی سے بے ہوش ہوئے انسان اگر ہوش میں ہو تو اپنے آپ سے اور گردونواح سے باخبر ہوتا ہے اور جب کسی شے میں فنا ہو جائے تو اسے اپنے گردونواح کا علم نہیں ہوتا ظاہراً تو وہ ہوش میں ہوتا ہے لیکن درحقیقت وہ بھی معناً بے ہوش ہوتا ہے اور بے ہوش کبھی بے ہوش نہیں ہوتا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جنت البقیع میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تو کون حضرت عائشہ نے عرض کی۔ عائشہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کون عائشہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی ابو بکر کی بیٹی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کون۔ ابو بکر حضرت عائشہ نے عرض کی: ابو قحافہ کا بیٹا ابو بکر۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کون ابو قحافہ؟ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ذکر الٰہی میں مشغول ہوتے تو ہر چیز سے تعلق منقطع ہو جاتا اور صرف اللہ ہی کی طرف مائل ہو جاتے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا تھا۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَ تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا

''اور اپنے رب کے نام کا ذکر کر اور سب سے ٹوٹ کر اسی کا ہو جا''

(۸) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دعوے سے رجوع کیا اور اپنے ایمان کا ہوش میں آنے کے بعد پھر اقرار کیا کہ میں ایمان میں اول ہوں۔ چنانچہ اپنی خواہش کی تکمیل نہ ہونے پر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام اسی طرح ایمان میں پختہ تھے جیسے اس تجلی کے گرنے سے پہلے تھے۔

جانوروں سے بدتر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۚ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۚ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۗ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝

آیت کے حوالہ جات

سورت کا نام	الاعراف
سورت کا نمبر	۷
آیت نمبر	۱۷۹

آیت کا ترجمہ

اور بے شک ہم نے جہنم کے لئے جنوں اور انسانوں میں سے بہت سے پیدا فرمائے وہ دل رکھتے ہیں وہ ان سے سمجھتے نہیں وہ آنکھیں رکھتے ہیں ان سے دیکھتے نہیں وہ کان رکھتے ہیں' ان سے سنتے نہیں وہ لوگ چوپائیوں کی طرح ہیں بلکہ زیادہ گمراہ وہی لوگ ہی غافل ہیں۔

نکتہ بیان

(۱) آیت میں ''ذرانا'' کا لفظ استعمال ہو''ذرء'' ارادے کے ظاہر کرنے کو کہتے ہیں اکثر مترجمین نے اس لفظ کو تخلیق یعنی خلقنا کے معانی کیا ہے اور یہ عرفی معنی ہیں کیونکہ انسان اور جنات کی تخلیق کا مقصد جہنم کو بھرنا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے

جیسا کہ رب ذوالجلال نے فرمایا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ

''اور ہم نے جنوں اور انسانوں کو پیدا نہیں فرمایا مگر اپنی عبادت کے لئے''

اب عبادت کی نفی جہنم کا اثبات ہے جبکہ عبادت کا اثبات وظہور جنت کا اثبات ہے۔

درج بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنوں کے خصائل کے پیش نظر نتائج کا قبل از وقت اظہار فرمایا ہے مثلاً ایک استاد کو طلباء کی تعلیمی صلاحیت کے پیش نظر معلوم ہوتا ہے کہ امتحان کے نتائج کیسے ہوں گے، کتنے طلباء پاس ہوں گے اور کتنے فیل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے جنات اور انسانوں کے کثیر تعداد میں جہنمی ہونے کی وجوہات بھی واضح کر دی ہیں اور جب وجوہات کی بناء پر ردعمل ہو تو وہ ظلم نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ظالم نہیں ہے کہ بے جن وانس کو جہنم میں داخل فرمائے۔

(۲) اللہ رب العزت نے کثیر جنات او انسانوں کے جہنم میں جانے کے اسباب بیان فرما دیئے اور وہ درج ذیل ہیں۔

(i) دل رکھتے ہیں مگر سمجھتے نہیں یعنی وہ صاحب دل تو ہیں لیکن صاحب شعور نہیں ہیں ان کے لئے ہدایت کے واقع ہونے میں دل باشعور کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔

(ii) آنکھیں رکھتے ہیں مگر وہ دیکھتے نہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو دیکھ کر اس کی جاہ وجلالت کا اعتراف کرتے ہوئے حق کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

(iii) ان کے کان تو ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں، سننا اور توجہ سے سننا دونوں میں فرق ہے اصل سننا وہ ہے جس میں توجہ کا عمل دخل ہے اور بات پر دھیان نہ دینا نہ سننے کے برابر ہے۔ اب فارمولے درج ذیل بنیں گے۔

دل+شعور=توجہ الی اللہ=ہدایت=بندگی=جنت

دل+غفلت=لاتوجہ الی اللہ=گمراہی=نافرمانی=جہنم

دیکھنا+غور کرنا=عبرت=حق آشنائی=اطاعت=جنت

دیکھنا+تدبر نہ کرنا=غفلت=حق سے لاپرواہی=نافرمانی=جہنم

سننا+شعور میں لانا=فہم وفراست=تحت الشعور=اطاعت=جنت

سننا+ان سنی کرنا=کم فہمی ونادانی=بے شعوری=نافرمانی=جہنم

(۳) اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو یہ درجہ دیا ہے کہ وہ حیوانات کی طرح گمراہ ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ' ان سے زیادہ کیوں اس لئے کہ وہ غافل ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا کیا حیوانات گمراہ ہیں حالانکہ حیوانات اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں دراصل جانوروں کی شعوری سطح انسان کے مقابل انتہائی کمزور ہوتی ہے اور وہ سوائے کھانے پینے اور جنسی عمل کے کسی چیز سے آشنا نہیں ہوتے وہ مرور زمانہ سے سبق سیکھتے اس لئے اللہ تعالیٰ نے غافل لوگوں کو حیوانات کی طرح قرار دیا اور ساتھ ہی فرمایا کہ یہ لوگ کم فہمی میں ان سے بھی گئے گزرے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اگر جانور گندا پانی پی رہا ہو تو اسے کوئی نادان اور بے وقوف نہیں کہے گا کیونکہ وہ جانور ہے لیکن انسان جس کو اعلیٰ دماغ دیا گیا ہے وہ ایسا کرے گا تو پاگل اور بے وقوف سمجھا جائے گا نیز جانور کو اتنا شعور ہوتا ہے کہ وہ اپنے مالک کی پہچان رکھتا ہے جبکہ غافل لوگ اپنے مالک کی پہچان نہیں رکھتے لہٰذا یہ ان سے بھی زیادہ گئے گزرے ہیں۔

(۴) یہ آیت اللہ تعالیٰ کی قدرت علمی کا مظہر ہے کہ اس نے افعال ہونے سے قبل ہی نتائج سے آگاہ فرمایا۔ ہر معاملہ اس کے ہاں طے شدہ ہے اور وہ ہر ایک کی کیفیت و احوال وافعال واعمال سے پوری طرح سے آگاہ ہے۔

(۵) ایک ہے مادی عقل یعنی وجود عقل اور ایک ہے حقیقی عقل یعنی وجود شعور اگر انسان کے پاس عقل ہو اور شعور نہ ہو تو وہ عقل درحقیقت عقل نہیں ہے اور عقل کی رہنمائی کے لئے ان لوگوں کے کان' آنکھیں زبان سب کچھ بے معنی ہے اور نہ ہونے کے برابر ہے جیسا کہ رب کائنات نے فرمایا:

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ (البقرہ)

''یہ لوگ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں پس وہ عقل نہیں رکھتے''۔

ظاہر ہے کہ اس آیت میں کفار کو بہرا گونگا اور اندھا کہا گیا ہے اور بے عقل بھی تو یہاں مادی یا وجود عقل مراد نہیں ہے بلکہ اس میں شعور کا نور نہ ہونا مراد ہے۔ اور وہ ظاہری طور پر گونگے، بہرے اور اندھے نہیں لیکن حقیقی طور پر وہ گونگے، بہرے اور اندھے ہیں یعنی ان کے یہ آلات کسی کام کے نہیں کیونکہ وہ ان آلات و ذرائع سے کام نہیں لیتے۔

عملِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عملِ خدا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ج

آیت کے حوالہ جات

سورت کا نام	الانفال
سورت کا نمبر	۸
آیت نمبر	۱۷

آیت کا ترجمہ

اور جب (سنگریزے) آپ نے مارے تھے، آپ نے نہیں مارے تھے، بلکہ اللہ نے مارے تھے۔

نکتہ بیانی

(۱) اللہ تعالیٰ بندوں کے افعال کا خالق ہے جیسا کہ فرمایا: ”اللہ نے تمہیں بھی پیدا فرمایا اور جو کچھ تم کرتے ہو“ (وہ بھی اللہ کا پیدا کردہ ہے)

(۲) اس آیت کے قبل کے حصے میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام سے فرمایا:

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ

”پس تم نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا“۔

تمام صحابہ صالحین اور اولیاء تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فعل کی نسبت ان کی طرف فرمائی اور ان کے فعل کو اپنا فعل قرار دیا۔ نہ تو اللہ صحابی ہے اور نہ کوئی صحابی اللہ ہے مگر صحابی کا فعل اس موقع پر اللہ کا فعل ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ والوں کا عمل اللہ

تعالیٰ کی تائید ونصرت کے سبب حقیقت میں اللہ کا فعل ہوتا ہے جو کرامت کی صورت میں واقع ہوتا ہے۔

(۳) حضرت سدی روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم نے بدر کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "مجھے زمین سے کچھ کنکریاں اٹھا کر دو۔ انہوں نے گرد آلود کنکریاں آپ ﷺ کو دیں۔ آپ ﷺ نے کفار کے چہروں پر انہیں پھینکا تو ہر مشرک کی آنکھوں میں اس میں سے کچھ مٹی داخل ہوگئی اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے اور مسلمان ان کا پیچھا کر کے انہیں قتل اور اسیر کرنے لگے تو اس موقع پر یہ آیت اتری۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کے فعل کو اپنا فعل قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ کنکریاں آپ ﷺ نے نہیں پھینکیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکیں اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ نبی کا فعل دراصل خدا کا فعل ہوتا ہے یہاں ہم فاعل کی دو قسم پر تقسیم کرتے ہیں۔

(i) فاعل ظاہری (ii) فاعل حقیقی

احادیث سے ثابت ہے کہ کنکریاں آپ ﷺ نے پھینکیں جبکہ آیت بتا رہی ہے کہ کنکریاں جب آپ نے پھینکیں تو وہ آپ ﷺ نے نہیں پھنکیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکیں۔ لہٰذا دو باتیں ہوئیں:

(i) کنکریاں آپ ﷺ نے پھینکیں۔

(ii) کنکریاں اللہ تعالیٰ نے پھینکیں۔

اب پھینکنے والا تو ایک ہے یعنی حضور ﷺ اور فعل کی نسبت دو کی طرف ہے۔ کیونکہ نہ تو اللہ تعالیٰ محمد ﷺ ہے اور نہ محمد ﷺ اللہ ہیں۔ بلا شک وشبہ دونوں ذاتوں میں مغایرت ہے لیکن دونوں کے فعل میں مطابقت ہے کہ فعل ایک ہے کنکریاں دو دفعہ نہیں پھینکی گئیں لیکن ایک فعل دو طرفہ قرار دیا اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کے بعض افعال درحقیقت اللہ کا فعل ہوتے ہیں بعض اس لئے کہا کہ ایسا نہیں

ہے کہ حضور نماز پڑھیں اور اللہ فرمائے کہ نماز آپ نے نہیں، میں نے پڑھی ہے۔

اگر کوئی ہے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے کنکریاں پھینکیں تو وہ بھی سچا ہے اور اگر کوئی کہے اللہ تعالیٰ نے کنکریاں پھینکیں تو وہ بھی سچا ہے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی عطا اللہ کی عطا ہے اگر کوئی ہے کہ مجھے اللہ نے عطا کیا تو وہ بھی سچا ہے اور جو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کو رسول خدا سمجھتے ہوئے کہے۔ مجھے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے عطا کیا تو وہ بھی سچا ہے کیونکہ رسول کی عطا درحقیقت اللہ کی عطا ہے۔

آپ ﷺ کی وجہ سے عذاب ٹلتا ہے

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ○

آیت کے حوالہ جات

سورت کا نام	الانفال
سورت کا نمبر	۸
آیت نمبر	۳۳

آیت کا ترجمہ

اور اللہ ان کو عذاب کیوں دے حالانکہ آپ ﷺ ان میں موجود ہیں اور نہ اللہ ان کو عذاب دینے والا ہے جبکہ وہ مغفرت طلب کر رہے ہوں۔

نکتہ بیانی

(۱) اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے وجود کو باعث رحمت بنا کر بھیجا لہٰذا رحمت اور عذاب ایک جگہ اکٹھے نہیں ہو سکتے۔

(۲) بعض روایات کے مطابق ابو جہل نے عذاب کا مطالبہ کیا اور بعض کے مطابق نضر بن حارث نے یہ مطالبہ کیا۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے احد کے دن عمرو بن العاص کو گھوڑے پر سوار ہوتے یہ کہتے ہوئے سنا: اے اللہ! محمد ﷺ جو کچھ کہتے ہیں اگر وہ سچ ہے تو مجھے گھوڑے سمیت زمین میں دھنسا دے، چونکہ آپ ﷺ وہاں موجود تھے اس

لئے اللہ تعالیٰ نے عذاب نازل نہ فرمایا۔

(۳) یہاں کفار کی بیوقوفی اور جہالت نمایاں ہے کہ وہ آپ ﷺ کی نبوت کی صداقت کے لئے منفی رخ اختیار کرتے حالانکہ اگر وہ مثبت رخ اختیار کرتے تو شاید ہدایت پا لیتے مثال کے طور پر کہتے: اے اللہ! اگر محمد ﷺ سچے ہیں تو بارش برسا یا ہمیں ہدایت دے دے۔ ان کے منفی رویئے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس قدر رسالت محمدی کے خلاف تھے اور قبولیت ایمان کی طرف ان کا رجحان تک نہ تھا۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے عذاب نازل نہ کرنے کی دوسری وجہ استغفار ذکر فرمائی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ استغفار کرنے سے عذاب نازل نہیں ہوتا۔ مستدرک حاکم کی حدیث میں ہے کہ "آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم جب تک وہ (بندے) مجھ سے استغفار کرتے رہیں گے میں ان کی مغفرت کرتا رہوں گا" مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "جب تک بندہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہے عذاب سے محفوظ رہتا ہے"۔

(۵) اللہ تعالیٰ کی رحمت ہر چیز سے وسیع ہے اور اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ مشرکین طواف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے کہتے: غفرانک تو اللہ تعالیٰ نے اس ایک لفظ کی بدولت ان پر گرفت نہ کی اور بڑی وجہ آپ ﷺ کا وجود مبارک تھا جب آپ ﷺ ہجرت فرما گئے تو اہل مکہ پر بدر کے مقام پر فرشتے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے اور کفار کے لئے ذلت ورسوائی کا پیغام لے کر آئے اور کفار اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آ گئے اور قتل ہوئے اور بری طرح شکست کھائی اب استغفار بھی ان کے کام کا نہ ہوا۔

(۶) ہجرت کے بعد مکہ میں عذاب نازل نہ ہونے کا سبب وہ اہل ایمان تھے جو مکہ میں رہ گئے لہٰذا ان کی وجہ سے اللہ کا عذاب نہیں آیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں اللہ کے نیک بندے ہوں گے وہاں کے گنہگار ان نیک بندوں کی بدولت بچے رہیں گے۔ یعنی معیت اولیاء گنہگاروں کے حق میں کسی نعمت سے کم نہیں ہے۔

(۷) جب آپ ﷺ بھی ہجرت فرما گئے اور کمزور صحابہ جو مکہ میں استغفار کرتے وہ بھی ہجرت کر گئے تو پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

"اب کیا وجہ ہے کہ ان کے لئے اللہ انہیں عذاب نہ دے حالانکہ وہ (مسلمانوں کو) روکتے ہیں۔ مسجد حرام سے اور نہیں ہیں وہ اس کے متولی اس کے متولی تو صرف پرہیز گار لوگ ہیں لیکن ان کی اکثریت نہیں جانتی"۔

(۸) عذاب ٹلنے کی دو وجوہات تھیں جب وہ دونوں نہ رہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اب اللہ انہیں عذاب کس وجہ سے نہ دے اور اس کا ایک سبب بیان کر دیا کہ وہ مسلمانوں کو مسجد حرام سے روکتے۔ اس لئے وہ اب عذاب کے حقدار بنے۔

(۹) اللہ تعالیٰ نے واضح کیا کہ مسجد حرام کا متولی ہونا ان کافروں کا حق نہیں بلکہ متولی وہ ہیں جو پرہیز گار لوگ ہیں۔ یہاں سے ثابت ہوتا ہے کہ مسجد انتظامیہ نیک لوگوں پر مشتمل ہونی چاہیے مگر ہماری بدبختی کہ اکثر مساجد میں جاہل اور فاسق لوگ انتظامیہ میں شامل ہوتے ہیں اور اب تو اپنی چودھراہٹ دکھانے کے لئے بھی انتظامیہ میں دخل اندازی ہوتی ہے جبکہ مسجد انتظامیہ کے وہ لوگ حقدار ہیں جو متقی ہیں۔

(۱۰) قرآن نے اکثر مقامات پر اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ لوگوں کی اکثریت بے علم، کم فہم اور بے عقل ہے اور اس بات کا مشاہدہ ہم اپنی زندگی میں کرتے ہیں۔

یارِ غار

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○

آیت کے حوالہ جات

سورت کا نام	التوبہ
سورت کا نمبر	۹
آیت نمبر	۴۰

آیت کا ترجمہ

اور اگر تم رسول ﷺ کی مدد نہیں کرو گے تو اللہ نے ان کی مدد فرمائی جب کفار نے ان کو نکالا۔ آپ دوسرے تھے جب وہ دونوں غار میں تھے جب وہ اپنے صاحب کو فرما رہے تھے کہ غم مت کر یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ پھر اللہ نے اپنی تسکین ان پر نازل کی اور مدد فرمائی ان کی ایسے لشکر سے جنہیں تم نہیں دیکھا اور کافروں کی بات کو سرنگوں کر دیا اور اللہ کی بات ہی ہمیشہ سر بلند ہے اور اللہ تعالیٰ غالب، حکمت والا ہے۔

نکتہ بیانی

(۱) اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرما دی کہ اگر تم رسول ﷺ کی مدد نہیں کرو گے تو

اللہ تو اپنے حبیب کا مددگار ہے یعنی رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کو کوئی تنہا مت سمجھے بلکہ اللہ کی مدد ونصرت نبی کے ساتھ ہے اور اس کا عملی مظاہرہ بھی اہل ایمان نے دیکھا۔

(۲) مکہ مکرمہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی جائے ولادت ہے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کو اپنی مرزبوم سے بہت لگاؤ تھا لیکن جب اہل مکہ نے بے حد ستانا شروع کر دیا تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے ہجرت فرمائی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جہاں اسلامی روایات پر عمل میں دشواری اور مشکل کا سامنا ہو تو اہل ایمان کو چاہئے کہ وہ وہاں سے ہجرت کر جائیں۔

(۳) کفار مکہ نے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کو اپنے گھر سے نکالا۔ اس کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل نہیں کیا۔ اگر خدا بدر میں فرشتے نازل فرما سکتا ہے تو مکہ میں بھی کفار کے قتل کے لئے فرشتے نازل فرما سکتا تھا لیکن ایسا نہ ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو بندوں کے قتل سے واسطہ نہ تھا بلکہ ان کی ہدایت مقصود تھی اور فتح مکہ کے وقت کئی اسلام دشمنوں نے اسلام قبول کر لیا۔

(۴) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے رفیق ہجرت بنے اور غار ثور میں تین دن آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ رہے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کو اپنے کندھوں پر بٹھایا اور دشوار گزار راستے پر سے گزرے جو خدمت رسول کا عظیم کارنامہ ہے۔

(۵) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جن کی صحابیت قرآن مجید کی نص سے ثابت ہے لصاحبہ سے مراد حضرت ابوبکر صدیق مراد ہیں۔

(۶) غار میں پہلے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ داخل ہوئے اور دوسرے نمبر پر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم داخل ہوئے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "دو میں سے دوسرے نے اپنے صاحب سے کہا"۔

(۷) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو غار میں آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی فکر لاحق ہوئی تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے ان سے فرمایا: غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے یعنی اللہ صرف میرے ساتھ نہیں ابوبکر کے ساتھ بھی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم پر سکینہ نازل فرمائی اور غائبانہ مدد فرمائی اور واضح کر دیا کہ محبوب خدا تنہا نہیں اللہ ان کے ساتھ ہے۔

اللہ ورسول کا فضل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ○ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ ۙ وَ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ رَسُوْلُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ○

آیات کے حوالہ جات

سورت کا نام	التوبہ
سورت کا نمبر	۹
آیت نمبر	۵۸،۵۹

آیات کا ترجمہ

''اور بعض ان میں سے طعن کرتے ہیں آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّم پر صدقات (کی تقسیم) کے بارے میں سو اگر انہیں (مال) دیا جائے ان سے تو خوش ہو جاتے ہیں اور اگر انہیں نہ دیا جائے ان سے تو اس وقت وہ ناراض ہو جاتے ہیں اور کیا (اچھا ہوتا) اگر وہ خوش ہو جاتے اس سے جو اللہ اور اس کے رسول نے انہیں دیا تھا اور کہتے کافی ہے ہمیں اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اپنے فضل سے عطا فرمائے گا ہم تو اللہ کی طرف ہی رغبت کرنے والے ہیں''۔

نکتہ بیانی

(۱) منافقت کیا ہے؟ یہ چھپی دشمنی ہے لیکن بسا اوقات یہ کھل کر سامنے آجاتی ہے

اور منافق اپنی حرکات اور کردار سے پہچانے جاتے ہیں۔ منافقوں کو نہ تو اللہ تعالیٰ سے بغض تھا نہ یوم آخرت کا انکار مگر تاجدار انبیاء ﷺ کی ہر بات انہیں چبھتی تھی اور اللہ نے آپ ﷺ کو جس شان اور عظمت و عزت سے نوازا وہ منافقین کو ہرگز گوارا نہ تھی۔ وہ ہر وقت اسی ٹوہ اور کوشش میں لگے رہتے کہ کوئی ایسی بات ملے جس سے شان رسول ﷺ میں تنقیص کا پہلو نکال سکیں جیسا کہ آج کل کے خارجی لوگ ہر وقت اس تحقیق میں غرق رہتے ہیں کہ کوئی ایسی روایت ملے جس سے رسول کی شان کم کرنے کا موقع میسر آئے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے ہر داؤ کو بے سود کر دیا اور اپنے حبیب ﷺ کی شان ہر زمانے میں اور زیادہ کر دی تاہم ان کی ناکام کوششیں اب بھی جاری ہیں اور ان میں دراصل عقل کا مادہ ہی نہیں ہے۔

؎ عقل ہوتی تو نہ خدا سے لڑائی لیتے
یہ گھٹائیں اس کو مقصود بڑھانا تیرا

یہ خارجی لوگ کبھی تو یزید کو جنت کا ٹکٹ دیتے ہیں۔ کبھی آپ ﷺ کے علم پر طعنے کستے ہیں۔ کبھی آپ ﷺ کی نورانیت کا انکار کرتے ہیں اور کبھی آپ ﷺ کے دیدار خدا کرنے کا انکار کرتے ہیں۔ نہایت ہی برا راستہ ہے جو ان لوگوں نے اختیار کر رکھا ہے۔

(۲) حضرت ابو سعید روایت کرتے ہیں کہ جب نبی اکرم ﷺ حسنین سے حاصل شدہ مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے تو ذو الخویصرہ نامی ایک شخص نے آپ ﷺ پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ عدل کریں۔ آپ ﷺ نے عدل نہیں کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تو خائب و خاسر ہے۔ اگر میں نے بھی عدل نہیں کیا پھر رسول اکرم ﷺ نے جب اسے پیٹھ پھیر کر جاتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: ''اس کی نسل سے ایسی قوم پیدا ہوگی کہ تم میں سے ایک شخص ان کی نمازوں اور روزوں کے مقابلے میں اپنی نمازوں اور روزوں کو حقیر سمجھے گا وہ دین سے ایسے نکل جیسے تیر کمان سے جہاں کہیں تم

انہیں پاؤ قتل کر ڈالو آسمان تلے یہ بدترین مقتول ہیں۔

(۳) منافقین کی ایک پہچان یہ ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کی بجائے دنیاوی مفاد کو مدنظر رکھتے ہیں۔ اگر انہیں مال و دولت ملے تو بہت خوش ہوتے ہیں اور اگر مال ہاتھ نہ آئے تو رنج والم میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہا گروہ (اس پر) خوش ہو جاتے جو اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے انہیں دیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ بھی فضل فرماتے ہیں۔ خود آپ ﷺ فرمایا کرتے: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے نہ تو میں تمہیں کوئی چیز عطا کرتا ہوں اور نہ تم سے کچھ روکتا ہوں میں تو خازن (خزانے بانٹنے والا) ہوں۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ بے شک اللہ عطا کرنے والا ہے اور میں تقسیم کرنے والا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: زمین کے خزانوں کی کنجیاں مجھے عطا کر دی گئی ہیں۔

آپ ﷺ کا فضل دراصل اللہ کا فضل ہے لیکن نادان لوگ اس بات کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔

صحابہ کرام آپ ﷺ کو فضل و اکرام کرنے والا اور نعمتیں تقسیم کرنے والا مانتے تھے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے برسر منبر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو گود میں لے کر فرمایا: ''ہمارے سروں پر بال کس نے اگائے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے باپ ﷺ کے اگائے ہوئے ہی تو ہیں۔ آپ ﷺ اللہ کی عطا سے جھولیاں بھرنے والے ہیں۔ آپ ﷺ نے حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ کی بابت فرمایا: ''میں نے اس بڑے کو ہیبت و بردباری عطا کی اور اس چھوٹے کو محبت و رضا کی نعمت دی۔

آپ ﷺ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا: ''مجھے اپنے گھر والوں میں سے سب سے پیارا وہ ہے جسے اللہ نے نعمت دی اور میں نے نعمت دی''۔

حسبنا اللہ سے واضح ہوتا ہے کہ توکل صرف اللہ پر رکھی جائے۔

مسجد ضرار وجہ انتشار

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَالَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا مَسۡجِدًا ضِرَارًا وَّکُفۡرًا وَّتَفۡرِیۡقًا ۢ بَیۡنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَاِرۡصَادًا لِّمَنۡ حَارَبَ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ مِنۡ قَبۡلُ ؕ وَلَیَحۡلِفُنَّ اِنۡ اَرَدۡنَاۤ اِلَّا الۡحُسۡنٰی ؕ وَاللّٰہُ یَشۡہَدُ اِنَّہُمۡ لَکٰذِبُوۡنَ ○ لَا تَقُمۡ فِیۡہِ اَبَدًا ؕ لَمَسۡجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقۡوٰی مِنۡ اَوَّلِ یَوۡمٍ اَحَقُّ اَنۡ تَقُوۡمَ فِیۡہِ ؕ فِیۡہِ رِجَالٌ یُّحِبُّوۡنَ اَنۡ یَّتَطَہَّرُوۡا ؕ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الۡمُطَّہِّرِیۡنَ○

آیات کے حوالہ جات

سورت کا نام	التوبہ
سورت کا نمبر	۹
آیت نمبر	۱۰۸،۱۰۷

آیات کا ترجمہ

’’اور وہ لوگ جنہوں نے نقصان پہنچانے کے لئے مسجد بنائی، کفر کرنے کے لئے اور پھوٹ ڈالنے کے لئے مسلمانوں کے درمیان اور (اس مسجد کو) کمین گاہ بنایا ہے اس کے لئے جو اللہ اور اس کے رسول سے لڑتا ہے اب تک، وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہمارا ارادہ نہیں تھا مگر بھلائی کے لئے اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ صاف جھوٹے ہیں۔ آپ اس (مسجد) میں کبھی قیام نہ کرنا البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد تقویٰ پر پہلے دن سے رکھی گئی وہ زیادہ حق رکھتی ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں اس میں ایسے لوگ ہیں جو صاف

ستھرا رہنے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ پاک صاف لوگوں سے محبت کرتا ہے"۔

نکتہ بیانی

(۱) ابن کثیر کے مطابق ابو عامر جس نے جاہلیت میں عیسائیت کو قبول کرلیا اور اہل کتاب کا علم حاصل کرلیا اسے خزرج قبیلے میں بڑا مقام حاصل تھا۔ جب رسول اکرم ﷺ مدینہ تشریف لے گئے اور مسلمان آپ ﷺ کی زیر قیادت اکٹھے ہو گئے اور بدر میں اہل اسلام کو اللہ نے غلبہ عطا کر دیا تو ابو عامر اس پر سیخ پا ہو گیا اور مسلمانوں کیخلاف دشمنی پر کمر بستہ ہو گیا اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لئے وہ مشرکین مکہ کے پاس چلا گیا اور انہیں رسول اکرم ﷺ کیخلاف جنگ پر آمادہ کرنے لگا۔ عربوں میں اس کی قماش کے لوگ اکٹھے ہو کر احد کے سال مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کے لئے آ دھمکے اور اس میں مسلمانوں کو کافی نقصان پہنچا۔ اس ابو عامر خبیث نے احد میں دونوں صفوں کے درمیان گڑھے کھود رکھے تھے ان میں سے ایک کے اندر رسول اکرم ﷺ جا گرے اور آپ ﷺ زخمی ہوئے۔ احد میں جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے یہ لعین اپنی قوم انصار کی طرف بڑھا اور اپنے ساتھ ملنے کو کہا جب انصار نے اس کی گفتگو سنی تو وہ کہنے لگے: اے دشمن خدا! تیری وجہ سے اللہ تعالیٰ کسی آنکھ کو ٹھنڈا نہ کرے' انصار نے اس کی خوب خبر لی اور اسے برا بھلا کہا تو یہ مایوس ہو کر واپس لوٹا اور کہنے لگا کہ میرے بعد میری قوم کو نظر لگ گئی ہے۔ اس کے فرار ہونے سے پہلے حضور ﷺ نے اسے اسلام کی طرف دعوت دی اور قرآن بھی سنایا لیکن اس نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ رسول اکرم ﷺ نے اس کے لئے فرمایا کہ یہ پردیس میں دھتکارا ہوئے مر جائے چنانچہ آپ ﷺ کی دعا قبول ہوئی' وہ شاہ روم ہرقل کے پاس مدد لینے کے لئے چلا گیا۔ ہرقل نے اسے مدد کی یقین دہانی کروائی وہ وہاں ہی قیام پذیر ہو گیا او اس نے اپنی قوم کے منافقین کو خط بھیجا کہ وہ ایک بہت بڑا لشکر لے کر آ رہا ہے اور وہ رسول اکرم

ﷺ کو شکست دے گا۔ نیز اس نے کہا کہ ایک مضبوط کمین گاہ بناؤ چنانچہ منافقین نے اس کے حکم کی تعمیل کرنے کے لئے مسجد قبا کے قریب ایک مضبوط مسجد بنائی اور رسول اکرم ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ﷺ اس میں نماز پڑھیں۔ مزید انہوں نے کہا کہ یہ مسجد کمزور اور سخت سرد راتوں میں اہل علت کے لئے بنائی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وہاں نماز پڑھنے سے بچائے رکھا۔ اس کے بعد جبرائیل امین مسجد ضرار کی خبر لئے حاضر ہوئے کہ اس مسجد کے پس پردہ یہ عزائم ہیں کہ مسلمانوں کو تکلیف پہنچائی جائے۔ یہاں کفر کی باتیں ہوں اور مسجد بامیں نماز پڑھنے والے مومنین کے مابین تفرقہ ڈالا جائے۔ آپ ﷺ نے مدینہ جانے سے قبل ایک آدمی کو بھیجا کہ وہ مسجد ضرار کو گرادے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وہاں نماز پڑھنے سے منع فرمادیا تھا۔

(۲) مسجد بنانا ایک اچھا عمل ہے اور حدیث کے مطابق ''جو مسجد بناتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بناتا ہے'' لیکن اس کے پس پردہ مقاصد کو بھی دیکھا جاتا ہے۔ منافقین نے مسجد قبا کے قریب مسجد بنوائی جس کا مقصد مسلمانوں کے مابین فرقہ واریت کو جنم دیتا تھا اس سے معلوم ہوا کہ جہاں ایک مسجد ہو اس کے ساتھ مسجد تعمیر نہیں کرنی چاہئے کیونکہ یہ وجہ تفرقہ ہوگی۔ جیسا کہ آج کل خارجی لوگ اہلسنت کی مساجد کے قریب مسجد میں بناتے ہیں اور پھر وہاں سپیکر کھول کر شان رسالت میں بے ادبیاں کرتے ہیں جس سے فرقہ واریت جنم لیتی ہے اور اس کا مشاہدہ قوم کر رہی ہے۔

(۳) آیا اگر آپ ﷺ اس مسجد میں نماز پڑھتے تو قبول نہ ہوتی حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ساری زمین کو آپ ﷺ کے لئے مسجد بنایا ہے۔ نماز تو قبول ہوتی لیکن وہی مسجد مذموم مقاصد کا مرکز بن جاتی اور وہاں آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام کیخلاف تبلیغ ہوتی اور مومنین میں تفرقہ پھیلتا اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس مسجد میں قیام کرنے سے منع فرمادیا۔

(۴) اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ غلط کام اور مذموم مقاصد رکھنے والے بھی

مثبت رویہ ظاہر کرتے ہیں جیسا کہ منافقین نے کہا کہ ہم نے یہ مسجد بھلائی کے لئے بنائی ہے یعنی عمل منفی تھا اوراس کا اظہار مثبت انداز میں کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''جب ان سے کہا جائے کہ زمین میں فساد نہ کروتو وہ کہتے ہیں ہم تو اصلاح کرنیوالے ہیں'' یعنی منافقت کیا یک پہچان یہ ہے کہ وہ فقط اپنے عمل کو ہی صحیح قرار دیتے ہیں حالانکہ نتائج بتاتے ہیں کہ وہ عمل منفی ہے۔

(۵) اللہ تعالیٰ کو وہ مسجد قابل قبول ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہو۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا تقویٰ ہے اسی طرح رسول ﷺ کا ادب کرنا تنظیم کرنا یہ بھی تقویٰ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی تعظیم اور ادب کرنے والوں کے بارے میں سورۃ الحجرات میں فرمایا کہ ''اللہ نے ان کے دلوں کو تقویٰ کے لئے چن لیا ہے''۔

سو اگر بے ادب لوگ مسجد بنائیں تو وہاں قیام نہیں کرنا چاہئے اللہ تعالیٰ کو ایسی مسجدیں پسند نہیں ہیں اور خارجیوں کے پیچھے نماز بھی نہیں پڑھنی چاہئے جن کی مساجد خدا کو پسند نہیں وہ لوگ کیسے اللہ کو پسند ہو سکتے ہیں؟

(۶) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ صاف ستھرا رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ یعنی جو نیت میں حسن ارادوں میں خیر عمل میں اخلاص' دلوں میں تقویٰ کی طہارت اور ظاہری طہارت رکھتے ہیں وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ لوگ ہیں۔

(۷) اللہ نے اس مسجد کو ضرار فرمایا کیونکہ وہ مسجد مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کی بنا پر تعمیر کی گئی تھی' ضرار کا مطلب ہے نقصان دہ مسجد' جب اللہ تعالیٰ کو تفرقہ کی بنا پر مسجد گوارا نہیں تو وہ لوگ جو مسلمانوں میں تفرقہ ڈالتے ہیں وہ کیسے گوارا ہوں گے؟ کیونکہ تفرقہ بازی اہل ایمان کے لئے تباہی کے موافق ہے اور مسلمانوں کا اتحاد و اتفاق ان کے لئے طاقت کا سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

''اور اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ مت کرو''۔

بعض نے اللہ کی رسی سے مراد قرآن لیا ہے لیکن یاد رہے کہ رسی کے دو سرے ہوتے ہیں لہٰذا بہتر ہوگا کہ رسی سے مراد قرآن و سنت لئے جائیں جیسا کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا بھی فرمان ہے کہ ''میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ کے جا رہا ہوں اگر انہیں تھامے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے وہ اللہ کی کتاب اور میری سنت ہے''۔

چنانچہ قرآن کو ہم تھامیں گے تو قرآن کے مطابق ہمارا نام ''مسلمان'' ہوگا اور سنت کو تھامیں گے تو اس کے مطابق ہم ''سنی'' کہلائیں گے جو الگ ہوگا وہی تفرقہ ہوگا اور تفرقہ پھیلانے والا آگ کا حقدار ہوگا چنانچہ حدیث مبارکہ ہے:

من شذ شذ فی النار

''جو (جماعت مسلمین سے) الگ ہوا وہ الگ ہو کے آگ میں گیا''۔

اللہ تعالیٰ اس امت کو فرقہ واریت سے بچائے اور سواد اعظم کے ساتھ ملحق رہنے کی تلقین عطا فرمائے۔ آمین

حضور ﷺ کی دعا وجہ تسکین

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ○

آیت کے حوالہ جات

سورت کا نام	التوبہ
سورت کا نمبر	۹
آیت نمبر	۱۰۳

آیت کا ترجمہ

''ان کے اموال میں سے (آپ ﷺ) صدقہ لیجئے اور اس (صدقہ) کے ذریعے انہیں پاک صاف کیجئے اور ان کے لئے دعا کیجئے۔ بے شک آپ ﷺ کی دعائیں ان کے لئے تسکین کا باعث ہیں اور اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے''۔

نکتہ بیانی

(۱) اللہ کی راہ میں صدقہ دینے سے انسان کو پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔

(۲) صحابہ کرام اگرچہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرتے تھے لیکن آیت شاہد ہے کہ وہ اپنا مال آپ ﷺ کے قدموں میں رکھ دیتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے

اپنے حبیب ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ﷺ ان سے صدقہ وصول کریں اور اس صدقے کے ذریعے انہیں پاک صاف کردیں۔

(۳) اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ

''لیکن اللہ پاک کرتا ہے جسے چاہتا ہے''۔

ایک طرف تو تزکیہ کا فاعل قرآن میں اللہ تعالیٰ کو قرار دیا گیا ہے جبکہ دوسری طرف حضور اکرم ﷺ کو تزکیے کا فاعل قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی صفت بیان کرتے ہوئے ایک اور مقام پر فرمایا:

وَيُزَكِّيْكُمْ ''اور وہ (رسول) تمہیں پاک کرتا ہے''۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ پاک صاف تو اللہ کرتا ہے لیکن اس طہارت کا سبب آپ ﷺ کی ذات مبارکہ ہے لہٰذا یہ کہنا درست ہوگا۔

اللہ تعالیٰ بھی مزکی ہے، رسول اکرم ﷺ بھی مزکی ہیں۔

اس مقام پر یہ بھی بتاتا چلوں کہ اللہ تعالیٰ کے ستر صفاتی نام ایسے ہیں جو آپ ﷺ کے بھی صفاتی نام ہیں۔ (شمامۃ العنبریہ)

(۴) اللہ رب العزت نے اپنے رسول ﷺ سے فرمایا کہ آپ ﷺ ان کے لئے دعا کریں کیونکہ آپ ﷺ کی دعائیں ان کے لئے سکون کا باعث ہیں۔ اللہ تعالیٰ بندوں کی دعائیں قبول فرماتا ہے اس کا فرمان ہے:

اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ

''میں دعا کرنے والے کی دعا کا جواب دیتا ہوں جب مجھ سے دعا کرے''۔

لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم کا طریقہ یہ تھا کہ وہ آپ ﷺ سے دعا کریں اور جب آپ ﷺ ان کے لئے دعا کرتے تو آپ ﷺ کی دعا ان کے لئے تسکین کا باعث بنتی۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ سے یہ نہیں فرمایا کہ تم خود دعا کرو، میں قبول کروں گا۔ جبکہ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حکم دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان کے لئے دعا کریں۔ ظاہر ہوا کہ دعا کی قبولیت میں شخصیت کا بھی اثر ہوتا ہے۔

(۵) آیت سے یہ بھی نکتہ معلوم ہوا کہ جب کوئی اللہ کے راستے میں مال خرچ کرے تو اس کے لئے دعا کر دینی چاہئے۔

صحبت صادقین

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۝

آیت کے حوالہ جات

سورت کا نام	التوبہ
سورت کا نمبر	۹
آیت نمبر	۱۱۹

آیت کا ترجمہ

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ''۔

نکتہ بیانی

(۱) اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں سے خطاب فرمایا اور دو امور کا حکم دیا۔

(i) اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔

(ii) سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

(۲) عام بندوں میں اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے افعال سرانجام پاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا خوف بندے میں تقویٰ کا نور پیدا کرتا ہے اور بندے کو ان افعال و اعمال کی طرف مائل کرتا ہے جن میں اللہ تعالیٰ کی رضا شامل ہوتی ہے اس لئے کثیر مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لئے صفت تقویٰ کا ذکر فرمایا ہے اور حقیقی ہدایت کو بھی متقی لوگوں کے ساتھ منسلک کیا ہے۔

(۳) خوف خدا ایمان کا بنیادی تقاضا ہے۔ یہ خوف اگر اہل دنیا سے ہوتو سراسر ضلالت اور رسوائی ہے اور اگر یہی خوف اللہ سے ہوتو عین ایمان ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں سے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بسا اوقات صاحبان ایمان دنیا اور اہل دنیا کے خوف میں آ جاتے ہیں اور ان سے وہ افعال صادر ہوتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی رضا شامل نہیں ہوتی۔

(۵) اہل دنیا کی طرف سے جب خوف زدہ ہو کر کوئی عمل کیا جائے گا تو وہ عمل ریا کاری میں شامل ہوگا جیسے کوئی شخص اپنے افسر کے ڈر سے نماز پڑھتا ہو اور خود اس کا دل مائل نہ ہو تو یہ ریا کاری اور ضائع عمل ہے۔

(۶) جب بندے میں اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا ہوتا ہے تو وہ دنیا سے بے خوف ہو جاتا ہے اس طرح اس میں جرأت بھی پیدا ہوتی ہے اور حق بات کہنے کی صلاحیت بھی پیدا ہوتی ہے اور وہ بندہ ''لاخوفٌ علیهم'' کی عملی تصویر بن جاتا ہے اور جب وہ بندہ تمسک بالحق کے درجے پر فائز ہو جاتا ہے تو وہ لوگوں سے نہیں ڈرتا بلکہ اہل دنیا اس سے خوفزدہ رہتے ہیں اور اسے کسی برے فعل کی طرف مائل کرنے کی جرأت بھی کوئی نہیں کر سکتا اور اگر کوئی برا فعل کرنے والا اس کے پاس بیٹھے تو وہ جب تک اس بندے کی صحبت میں بیٹھتا ہے بدی سے بچا رہتا ہے۔

(۷) بندے پر لازم ہے اور اللہ کا حق ہے کہ اسی سے ڈرا جائے کیونکہ روز قیامت حساب اسی کو دینا ہے کسی بندے کو نہیں۔

(۸) اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے فرمایا: ''سچوں کے ساتھ ہو جاؤ'' یہ نہیں فرمایا کہ سچے ہو جاؤ اس سے صحبت صالحین و صادقین کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ بلاشبہ انسان کی زندگی میں اس کی صحبت کا بڑا اہم کردار ہوتا ہے۔ اچھی صحبت میں بیٹھنے سے انسان نیکی کی طرف رغبت پاتا ہے جبکہ بری صحبت سے انسان کی زندگی پر برے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

الصدق ینبعی والکذب یھلک

''سچائی نجات دیتی ہے اور جھوٹ ہلاک کرتا ہے''۔

آپ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کیا مومن بزدل ہوسکتا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں پھر پوچھا گیا کیا مومن بخیل ہوسکتا ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ جب پوچھا گیا کہ کیا مومن جھوٹا ہوسکتا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں''۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ صداقت اور ایمان کا کتنا گہرا تعلق ہے۔

(۹) صداقت کی خوبی اللہ کے فضل اس کی رحمت اور سچے لوگوں کی صحبت اختیار کرنے سے میسر آتی ہے۔

صحبت دو اقسام پر مشتمل ہے۔

(i) صحبت ظاہری (ii) صحبت روحانی

اسی طرح سچائی کی بھی دو اقسام ہیں۔

(i) قول کی سچائی (ii) عمل کی سچائی

(۱۰) ہمارے معاشرتی بگاڑ کی ایک بڑی وجہ ہمارا سچے لوگوں کی بجائے جھوٹے لوگوں سے وابستہ ہونا ہے۔

ہماری قوم لیڈر منتخب کرتی ہے تو وہ جن کی زندگی جھوٹ کا مرقع ہوتی ہے، ہم سچے لوگوں کا ساتھ نہیں دیتے۔ اگر سچے لوگوں کا ساتھ دیا جائے تو ہمارا یہ طرز عمل ہماری دنیاوی اور اخروی زندگی کے لئے باعث خیر ہوگا۔

؎ سچ پے قائم رہنا خدا کی رضا ہے
جھوٹ ہے فانی صداقت کو بقا ہے

اللہ کے اولیاء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلَآ اِنَّ اَوۡلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ۝ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَکَانُوۡا یَتَّقُوۡنَ ۝ لَہُمُ الۡبُشۡرٰی فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَفِی الۡاٰخِرَۃِ ؕ لَا تَبۡدِیۡلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ ؕ ذٰلِکَ ہُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ۝

آیات کے حوالہ جات

سورت کا نام	یونس
سورت کا نمبر	۱۰
آیت نمبر	۶۲ تا ۶۴

آیات کا ترجمہ

”آگاہ ہو جاؤ! بے شک اللہ کے ولیوں کو نہ کوئی خوف ہے نہ وہ غمگین ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیز گاری کرتے رہے۔ ان کے لئے دنیاوی اور اخروی زندگی میں بشارت ہے۔ اللہ کی باتیں نہیں بدلتیں، یہی بڑی کامیابی ہے“۔

نکتہ بیانی

(۱) اللہ تعالیٰ نے بندوں میں خبردار کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں کی اکثریت ولیوں کے مقام اور ان کی عظمت سے ناآشنا ہے۔ اللہ کے ولی انعام یافتہ بندے ہیں جن کی پہچان اور صحبت سے انسان کی تقدیر بدل سکتی ہے۔

(۲) ”ولی“ کا لفظ قرآن مجید میں مختلف جگہ پر مختلف معانی میں آیا ہے۔ لفظ

''ولی'' سے درج ذیل معانی مراد لیے گئے ہیں۔

(i) ولی بمعنی نگران

(ii) ولی بمعنی اطاعت گزار

(iii) ولی بمعنی تصرف کرنے والا

(iv) ولی بمعنی محبت کرنے والا

(v) ولی بمعنی سچ بولنے والا یعنی صادق

(vi) ولی بمعنی دوست

(vii) ولی بمعنی مددگار و معاون

(viii) ولی بمعنی قریب یا قربت میں آنے والا

(ix) ولی بمعنی ہادی و رہنما

(x) ولی بمعنی کام آنے والا' کارساز

(xi) ولی بمعنی وارث

لفظ ''ولی'' کے ان تمام معانی کو مدنظر رکھتے ہوئے ولی کی جامع ترین تعریف یہ ہوگی۔

''ولی سے مراد وہ صاحب ایمان شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کا دوست اور اس کے قریب ہو۔ اللہ اور رسول کا اطاعت گزار اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرنے والا ہو جو حق و صداقت پر قائم ہو۔ بھولے بھٹکوں کا رہنما ہو روحانی طور پر تصرف رکھتا ہو' انبیاء علیہم السلام کے علوم کا وارث اور اللہ کی عطا کردہ طاقت سے بگڑے کام سنوارنے والا اور اپنے مریدوں کے حال کا نگران ہو''۔

حدیث میں ولی کی یہ پہچان بتائی گئی ہے۔

''جب اسے دیکھا جائے تو خدا یاد آ جائے''۔

یعنی ولی کے چہرے میں ایسا رنگ و نور اور کمال ہوتا ہے کہ چہرا اس کا دیکھا جاتا

ہے اور یادِ خدا کی آتی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ کی زیارت عبادت ہے کیونکہ ذکر الٰہی عبادت ہے اور ولی کے چہرے کی زیارت سے اللہ تعالیٰ یاد آتا ہے بایں معنی ولی کی زیارت اللہ کی یاد اور اللہ کی یاد عبادت ہے۔

ع نگاہ ولی میں یہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

(۳) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اولیاء اللہ کو نہ تو خوف ہے اور نہ ہی غم خوف کا تعلق مستقبل کے ساتھ ہے جبکہ غم کا تعلق ماضی کے ساتھ ہے۔ مثال کے طور پر اگر ایک شخص کے پاس دو گھوڑے ہیں۔ ایک ان میں سے بھاگ جاتا ہے۔ اب جو بھاگ گیا اس کا غم ہوگا اور جو پاس ہے اس کے بارے میں خوفزدہ ہوگا کہ کہیں وہ بھی نہ بھاگ جائے۔

اللہ کے ولیوں کا ماضی، حال اور مستقبل اللہ تعالیٰ کی رضا میں بسر ہوتا ہے وہ لوگ دنیا اور اموال دنیا سے محبت نہیں کرتے فقط وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے طلبگار رہوتے ہیں۔

جو ماضی کی الجھنوں میں پڑے تو غمزدہ ہو جائے اور جو مستقبل کے اندیشے میں رہے وہ خوفزدہ رہے گا اور جن لوگوں کا مطلوب ہی اللہ کی رضا ہے انہیں کسی غم اور خوف کی کیا پرواہ۔

(۴) ولی کون ہوتا ہے اور ولی کیسے بنتا ہے؟ یاد رہے کہ ولایت بنیادی طور پر دو چیزوں کا مجموعہ ہے ایمان اور تقویٰ یعنی

ایمان+تقویٰ = ولی اللہ

ایمان کیا ہے؟ اقرار بالسان وتصدیق بالقلب یعنی زبان سے توحید و رسالت کو ماننا اور دل سے اس کی تصدیق کرنا۔

ایمان کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

والذین امنوا اشد حبا للہ

''اور جو ایمان والے ہیں وہ اللہ سے شدید محبت کرتے ہیں''۔

ایمان کیا ہے؟ نیک اعمال پر کاربند رہنا فرمان الٰہی ہے:

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُو الصّٰلِحٰتِ

''مگر سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے''۔

ایمان کیا ہے؟ اطاعت خدا اور رسول

اَطِیْعُو االلّٰہَ وَاَطِیْعُو الرَّسُوْلَ

''اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔

ایمان کیا ہے؟ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ محبت کرنا' آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کا فرمان ہے:

''لایومن احدکم حتّٰی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین' وفی روایۃ عن نفسہ''

''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے نزدیک والدین اولاد اور تمام لوگوں اور اپنی ذات سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں''۔

اسی طرح ایمان کے دیگر تقاضے بھی بیان کئے گئے ہیں۔

الغرض ایک حالت ایمان کی تصدیق بالقلب ہے اور ایک ہے حقیقت ایمان اور حقیقت ایمان اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی محبت ہے۔ یہی اصل ہیں اور باقی فروعات ہیں تو ایمان مجموعہ ہوا محبت الٰہی' محبت رسول' اعمال صالحہ' اطاعت الٰہی' اطاعت رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کا یعنی

اعمال صالحہ + رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی اطاعت + اللہ کی اطاعت + رسول کی محبت + اللہ کی محبت = ایمان

ولی وہ ہوتا ہے جس میں یہ سارے اوصاف موجود ہوں۔ دوسری خوبی جو اللہ تعالیٰ نے بیان کی وہ تقویٰ ہے۔ تقویٰ کی بھی مختلف صورتیں احادیث اور قرآن میں بیان کی گئی ہیں۔ بنیادی طور پر تقویٰ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا نام ہے اس کے ساتھ ساتھ متقی وہ ہوتا

ہے جو حضور ﷺ کا ادب کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورت حجرات میں فرمایا:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ

''ان لوگوں (نبی کا ادب کرنے والوں) کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لئے چن لیا ہے''۔ یعنی تعظیم رسول ﷺ تقوے کی علامت ہے''۔

اب ولایت کا اس آیت کے پیش نظر مختصر فارمولا یہ ہوا۔

ادب رسول ﷺ + خوف خدا + محبت رسول ﷺ + محبت الٰہی = ولی

جس طرح تقویٰ اور ایمان کے درجے ہیں اسی طرح اولیاء کے بھی درجات ہیں۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کے لئے دنیا اور آخرت کی زندگی میں خوشخبری ہے یعنی دنیا میں بھی ان پر مکاشفات کا نزول ہوگا اور ان کی ولایت کی بعض علامات ظہور پذیر ہوں گی اور آخرت میں انہیں کوئی خوف غم نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے اس کامیابی کو بہت بڑی کامیابی قرار دیا ہے اور یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ اللہ کے کلمات میں کوئی تبدیلی نہیں یعنی اللہ نے جو قانون ولایت بنا دیا ہے جب تک بندہ اس پر پورا نہیں اترے گا وہ کبھی ولی نہیں بن سکتا۔

آج کل لوگوں نے پیری کے نام سے بازار لگائے ہوئے ہیں اور اکثریت شریعت سے بے خبر ہے۔ انہیں پیر سمجھا جاتا ہے جو سنت واطاعت رسول ﷺ اور احکام الٰہی نہیں بجا لاتے۔ ایسے لوگ پیر نہیں ہو سکتے بلکہ وہ انسانی شکل میں شیطانی کردار ادا کر رہے ہیں۔

حقیقی نسب

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَ قَالَ ارْكَبُوْا فِیْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖهَا وَ مُرْسٰهَا ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۝ وَ هِیَ تَجْرِیْ بِهِمْ فِیْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۫ وَ نَادٰی نُوْحُ ِ ابْنَهٗ وَ كَانَ فِیْ مَعْزِلٍ یّٰبُنَیَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَ لَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِیْنَ۝ قَالَ سَاٰوِیْۤ اِلٰی جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَآءِ ؕ قَالَ لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَ حَالَ بَیْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِیْنَ۝

آیات کے حوالہ جات

سورت کا نام	ہود
سورت کا نمبر	۱۱
آیت نمبر	۴۱ تا ۴۳

آیات کا ترجمہ

''اور نوح نے کہا سوار ہو جاؤ اس (کشتی) میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ ہی اس کا چلنا اور لنگر انداز ہونا ہے۔ بے شک میرا پروردگار غفور رحیم ہے۔ وہ چلنے لگی انہیں لے کر ایسی موجوں میں جو پہاڑ کی مانند ہیں اور پکارا نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو اور وہ الگ تھا' بیٹا سوار ہو جا ہمارے ساتھ اور کافروں کے ساتھ نہ ہو' بیٹے نے کہا میں پناہ لے لوں گا کسی پہاڑ کی وہ مجھے پانی سے بچا لے گا۔ (نوح) نے کہا آج اللہ تعالیٰ کے حکم سے کوئی بچانے والا نہیں

مگر جس پر وہ رحم کرے اور حائل ہوگئی ان کے درمیان موج اور وہ ڈوبنے والوں میں سے ہوگیا"۔

نکتہ بیانی

(۱) نوح علیہ السلام نے مومنین کو کشتی پر سوار ہوتے ہوئے فرمایا کہ اس کشتی کا چلنا اور ٹھہرنا اللہ تعالیٰ ہی کے نام سے ہے۔ معلوم ہوا کہ کسی سواری پر سوار ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے اس میں برکت ہے۔ نیز اس بات کا اعتقاد رکھنا چاہئے کہ منزل مقصود تک پہنچانے والی اللہ کی ذات ہے۔ کشتی کس سمت میں گئی اور کہاں رکی؟ یہ سب کچھ امرِ الٰہی سے طے ہوا۔ کشتیوں کو بحری جہازوں کو دریاؤں اور سمندروں میں تیرانے والا اور ہوائی جہازوں کو ہواؤں میں اڑانے والا اللہ ہی ہے۔

(۲) کافروں پر عذاب واقع ہو رہا تھا لیکن اس موقع پر بھی نوح علیہ السلام نے فرمایا: بے شک میرا رب معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ عذاب کے ساتھ رحمت و بخشش کا ذکر اس بات کو عیاں کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالم نہیں ہے یہ اس کی رحمت ہی تو تھی کہ کئی سو سال تک کافر اس کے نبی کو ستاتے رہے اور حق کا انکار کرتے رہے اس کے باوجود اللہ نے عذاب نازل نہ فرمایا انہیں مہلت دی لیکن جب وہ حد سے بڑھ گئے تو ان پر گرفت آئی۔ نوح علیہ السلام کے اس قول سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ بندے کو ہمیشہ رب سے اچھی امید رکھنی چاہئے اور اس کی رحمت و بخشش کی صفت کے ساتھ اس کا ذکر کرنا چاہئے کیونکہ وہ اپنے بندوں کے لئے غفور رحیم ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا:

"میرے بندوں کو خبر دیجئے کہ بے شک میں غفور رحیم ہوں"

کفار مکہ نے تیرہ سال تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کو ایذائیں دیں اور عذاب کا خود مطالبہ کرتے رہے لیکن اللہ تعالیٰ صرف نظر فرماتا رہا ان پر عذاب نازل نہیں کیا اس سے واضح ہوتا ہے کہ اس کی رحمت اس کے غضب سے زیادہ وسیع ہے اور وہ بخشنے اور رحم کرنے میں بڑا سخی ہے۔

(۳) پہاڑ کی مانند اونچی پانی کی لہروں اور موجوں میں کشتی کا حفاظت کے ساتھ چلنا اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہے۔ اس کا چلنا اور رکنا امر الٰہی سے تھا یک دم اتنا پانی اتارنا بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی اور علامت ہے۔

(۴) نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو اپنی طرف بلایا جبکہ وہ آپ علیہ السلام سے الگ ہو کر کافروں سے جاملا تھا اور آپ علیہ السلام نے فرمایا: اے بیٹے ہمارے ساتھ ہو جا۔ کافروں کے ساتھ مت شامل ہو۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اولاد اگرچہ کیسی ہی کیوں نہ ہو والدین کا اس سے قلبی لگاؤ ہوتا ہے اسی لئے نوح علیہ السلام نے اس موقع پر دوسرے کافروں کو نہیں بلایا بلکہ اپنے بیٹے کو آواز دی کہ ہمارے ساتھ شامل ہو جا۔

(۵) جو کفر اور گمراہی پر ہو اس کا انجام برا ہے خواہ وہ نبی کا چچا ہو یا بیٹا یا کوئی بھی رشتہ دار حقیقی نسب روحانی وایمانی نسب ہے نہ کہ خونی۔ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام سے فرمایا کہ یہ تیری اہل میں سے نہیں کیونکہ اس کے اعمال صالحہ نہیں، نسب خونی پر نسب ایمانی کو ترجیح حاصل ہے۔ ایک صحابی نے بدر میں اپنے ہی والد کو خود قتل کیا کیونکہ وہ کفار کے ساتھ تھا۔ یہ نکتہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی کتنے ہی بڑے ولی کا بیٹا کیوں نہ ہو اگر اس کے اعمال درست نہیں تو وہ اس کا جانشیں بننے کا حقدار ہرگز نہیں ہے۔

(۶) نوح علیہ السلام کے بیٹے نے کہا کہ میں پہاڑ کی پناہ لے لوں گا۔ مصیبت کے وقت پناہ ڈھونڈنا انسانی فطرت میں شامل ہے لیکن حقیقت میں پناہ دینے والا اللہ ہے۔ اس لئے نوح علیہ السلام نے بیٹے سے فرمایا کہ آج اللہ کے حکم سے بچانے والا کوئی نہیں مگر جسپر وہ رحم کرے۔ اسی دوران ایک موج حائل ہوئی اور نوح کا بیٹا اس موج کی نظر ہو گیا۔

(۷) ہدایت کلیتاً اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے اختیار میں نہیں دی کیونکہ اگر ہدایت تمام کی تمام انبیاء علیہم السلام کے اختیار میں ہوتی تو دنیا میں کوئی کافر نہ ہوسکتا کیونکہ ہر نبی یہی چاہتا کہ ہر شخص ایمان لائے اور مسلمان ہو جائے اللہ کے ہر کام میں حکمتیں ہے اور وہی سب سے بہتر جاننے والا ہے۔

حسن و معصومیت حضرت یوسف علیہ السلام

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَقَالَ نِسْوَۃٌ فِی الْمَدِیْنَۃِ امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ تُرَاوِدُ فَتٰھَا عَنْ نَّفْسِہٖ ۚ قَدْ شَغَفَھَا حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰھَا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَکْرِھِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَیْھِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَھُنَّ مُتَّکَاً وَّ اٰتَتْ کُلَّ وَاحِدَۃٍ مِّنْھُنَّ سِکِّیْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَیْھِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَیْنَہٗۤ اَکْبَرْنَہٗ وَقَطَّعْنَ اَیْدِیَھُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰہِ مَا ھٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ ھٰذَاۤ اِلَّا مَلَکٌ کَرِیْمٌ ۝ قَالَتْ فَذٰلِکُنَّ الَّذِیْ لُمْتُنَّنِیْ فِیْہِ ؕ

آیات کے حوالہ جات

سورت کا نام	یوسف
سورت کا نمبر	۱۲
آیت نمبر	۲۰،۲۱

آیات کا ترجمہ

"اور شہر میں کچھ عورتوں نے کہنا (شروع) کر دیا کہ عزیز کی بیوی اپنے غلام کو اس سے مطلب برداری کے لئے پھسلاتی ہے۔ اس کی محبت اس کے دل میں گھر کر گئی ہے۔ بے شک ہم اسے کھلی گمراہی میں دیکھ رہی ہیں۔ پس جب اس نے ان کی مکارانہ (طعنہ زنی کی) باتیں سنیں۔ انہیں بلوا بھیجا اور ان کے لئے مسندیں لگا دیں اور ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک چھری دے دی اور (یوسف علیہ السلام) سے کہا کہ ذرا ان کے سامنے سے نکل جاؤ۔ پس

جب انہوں نے یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو اس کی بڑائی کرنے لگیں اور بول اٹھیں اللہ کی پناہ یہ تو بشر نہیں ہے یہ تو بس کوئی برگزیدہ فرشتہ ہے (زلیخا) بولی یہی ہے وہ جس کے بارے میں تم مجھے ملامت کرتیں''۔

نکتہ بیانی

(۱) شہر کی عورتوں نے اس لئے زلیخا کے بارے میں طعنہ زانی کی کیونکہ یوسف علیہ السلام بطور غلام اس کے ہاں تھے اور غلاموں کو معاشرے میں اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا اور کمی سمجھا جاتا تھا اس لئے ایسی محبت کو زنان مصر نے حقارت سمجھا اور زلیخا کے بارے میں طعنہ زنی کرنے لگیں کہ زلیخا اپنے غلام سے اپنی مطلب برداری کرنا چاہتی ہے اور ایک غلام سے محبت کرتی ہے لہٰذا اس معاملے میں وہ راستے سے بھٹک گئی ہے۔

(۲) جب ان عورتوں کی باتیں زلیخا تک پہنچیں تو اس نے ان کو اپنے پاس بلوایا۔ ان کی دعوت کی اور ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک چھری دے دی اور یوسف علیہ السلام سے گزارش کی کہ وہ ان عورتوں کے سامنے سے گزریں جب یوسف علیہ السلام ان کے سامنے تشریف لائے تو آپ علیہ السلام کے حسن و جمال میں اس قدر مستغرق ہوئیں کہ خود اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے اور سب نے کہا اللہ کی پناہ یہ تو کوئی بشر نہیں بلکہ کوئی برگزیدہ فرشتہ ہے یوں یوسف علیہ السلام کی بڑائی بیان کرنے لگیں۔ اللہ کی شان کہ جو ہاتھ طعنہ زنی کے لئے اٹھتے اور جو زبان طعنہ زنی کے لئے چلتی وہ ہاتھ کٹ گئے اور زبانوں پر حضرت یوسف علیہ السلام کی بڑائی اور تعریف جاری ہوگئی۔ عورتیں کتنی تھیں یہ تو قرآن نے بیان نہیں کیا لیکن سب کی زبان پر ایک ہی جملہ آیا جو باعث حیرت ہے وہ کوئی پہلے سے میٹنگ کر کے نہیں آئی تھیں کہ یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر یہ الفاظ کہنے ہیں حسن یوسف نے سب کی باتوں میں وحدت اور اتحاد پیدا کر دیا۔ معلوم ہوا کہ نبی کی ذات میں فنا ہو کرامت ایک ہو سکتی ہے کیونکہ عاشقوں میں فرقہ بندی نہیں ہوتی' فاسقوں میں ہوتی ہے۔

اور تعجب کی بات یہ ہے کہ تمام عورتوں کے ہاتھ کٹ گئے مگر زلیخا کے ہاتھ ہیں کٹے

اس لئے کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام سے محبت کرتی تھیں اور انہیں حقیر نہیں سمجھی تھیں انہیں کے ہاتھ کٹ گئے۔

(۳) جب حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن ان عورتوں نے دیکھا تو انہیں کریم فرشتہ قرار دیا حالانکہ انہوں نے فرشتوں کو دیکھا ہوا نہ تھا بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام کے چہرے کی نورانیت کی وجہ سے انہوں نے آپ علیہ السلام کو فرشتہ کہا۔ بشریت کی نفی نہیں کی، بشری اوصاف کی نفی کی اور بشریت یہ اصرار چھوڑا انکار ہی نہیں کیا کیونکہ وہ اچھی طرح جانتی تھیں کہ فرشتے کبھی فروخت نہیں ہوتے اور نہ خرید کردہ غلام بنائے جاتے ہیں۔

(۴) انسانی فطرت ہے کہ جب کوئی زخم آئے سخت چوٹ لگے تو ہر طرف سے توجہ ہٹ جاتی ہے اور ایک آہ سی نکلتی ہے ہائے، تو ان عورتوں کے ہاتھ کٹ گئے لیکن یہ آواز نہ نکلی ہائے ہمارے ہاتھ کٹ گئے۔ انہیں ہاتھ کٹنے کی پرواہ نہ ہوئی کیونکہ ان کی ساری توجہ حسن یوسف پر تھی اور مقام فنا پر اپنا حال ختم ہو جاتا ہے اور ایک نیا حال طاری ہو جاتا ہے ہاتھ کٹ گئے خون بہہ رہا ہے مگر لب پہ نبی علیہ السلام کی عظمت کا ترانہ ہے۔

ع چل گئیں چھریاں کٹ گئے ہاتھ
مگر لب پے نبی کا ترانہ ہی رہا

(۵) حسن یوسف علیہ السلام کا جلوہ کروانے کے بعد حضرت زلیخا فاتحانہ انداز میں بولی کہ یہی وہ ہے جس کے بارے میں تم مجھے ملامت کرتی تھیں۔ زلیخا نے اپنے موقف پر کوئی دلائل پیش نہ کئے اور نہ ہی ان عورتوں کے بحث و مناظرہ کیا بلکہ بڑی اچھی ترکیب سوچی اور انہیں یوسف علیہ السلام کا مشاہدہ کروادیا تاکہ ان کی زبانیں بند ہو جائیں اور ان پر واضح کر دیا کہ تم سے تو یہ جلوہ برداشت نہ ہوا اور اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے اگر میں نے یوسف علیہ السلام کو دل دے دیا ہے تو کیا قصور ہوا؟

(۶) حضرت زلیخا نے زنانِ مصر کے سامنے اس بات کا اعتراف کیا کہ میں نے ان کو پھسلانا چاہا لیکن وہ بچا رہا۔ زلیخا کا یہ قول حضرت یوسف علیہ السلام کی عصمت کی دلیل

ہے۔

(۷) حضرت یوسف علیہ السلام کی برات اور عصمت پر آیت نمبر ۲۹ بھی دلیل ہے جب عزیز مصر دروازے پر آموجود ہوا اور یوسف کی عصمت پر گواہی مل گئی تو عزیز مصر نے یوسف علیہ السلام سے کہا: اے یوسف! اس بات کو جانے دو اور (اے زلیخا) اپنے گناہ کی معافی مانگ بے شک تو ہی جرم داروں میں سے ہے۔

(۸) جب زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو غلط کاری کی طرف مائل کرنا چاہا تو آپ نے فرمایا: معاذ اللہ (اللہ کی پناہ) یہ الفاظ بھی بتاتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی توجہ اس وقت بھی اپنے پروردگار کی طرف تھی اسی وجہ سے آپ کو رب نے اپنی نشانی دکھائی وہ نشانی کیا تھی؟ اس پر بحث محل نظر نہیں۔

(۹) اگرچہ یوسف علیہ السلام اللہ کے نبی تھے تاہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس طرح ہم نے اس سے برائی اور بے حیائی کو دور کر دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ برائی سے بچنے کی توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے اس میں بندے کا کوئی کمال نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ ''یوسف علیہ السلام ہمارے مخلص بندوں میں سے تھے'' اللہ تعالیٰ اپنے مخلص بندوں کو برائی سے بچاتا ہے۔

(۱۰) جب خواب کی تعبیر کے سلسلے میں عزیز نے حضرت یوسف کو بلوایا تو آپ علیہ السلام نے قاصد سے کہا کہ پہلے پوچھ کر آؤ کہ ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے؟ اس سے معلوم ہوا کہ نبی کو امت کے دکھ درد کا کتنا احساس ہوتا ہے دوسرے یوسف علیہ السلام چاہتے تھے کہ ان پر جو الزام لگا ہے عورتیں اعتراف کر لیں کہ وہ بے بنیاد ہے اور اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے اس لئے آپ علیہ السلام نے قاصد کو واپس بھیج دیا۔

آیت نمبر ۵۱ میں عورتوں نے یہ اعتراف کیا اور بولیں اللہ کی پناہ ہمیں یوسف میں ذرہ برائی بھی معلوم نہیں ہوئی۔ زلیخا نے کہا کہ اب حق بات واضح ہوگئی ہے میں نے ہی اسے پھسلانا چاہا اپنی مطلب برداری کے لئے بخدا وہ تو سچا ہے۔

(۱۱) آیت نمبر ۵۲ کی نسبت یوسف علیہ السلام کی طرف کی گئی ہے حالانکہ یوسف علیہ السلام اس موقع پر موجود نہیں تھے لہٰذا مناسب یہی ہے کہ یہ کلام زلیخا کا ہوتا کہ وہ (یوسف) یہ جان لے کہ اس کی غیر موجودگی میں نے (الزام لگا کر) خیانت نہیں کی (سچ بتا دیا)

(۱۲) آیت نمبر ۵۳ میں ہے ''میں (زلیخا یا یوسف) اپنے نفس سے بری نہیں بے شک نفس تو برائی کا حکم دیتا ہے مگر (وہ بچتا ہے) جس پر میرا رب رحم کرے یقیناً میرا رب غفور رحیم ہے''۔

اس آیت کا اکثر مترجمین نے ترجمہ کرتے ہوئے اسے یوسف علیہ السلام سے منسوب کیا ہے حالانکہ سیاق کلام بتا رہا ہے کہ یہ گفتگو عزیز مصر سے زلیخا کر رہی ہے اور یوسف علیہ السلام وہاں موجود ہی نہ تھے ابھی جیل میں تھے۔

جیسا کہ اگلی آیت اس پر شاہد ہے کہ بادشاہ نے حکم دیا کہ اسے (یوسف علیہ السلام) کو میرے پاس لے آؤ اور میں چن لوں گا اسے اپنی ذات کے لئے'' یعنی یوسف علیہ السلام کو جیل سے نکلوایا گیا۔

اگر کوئی یہ کہے کہ میں اپنے آپ کو بے قصور نہیں سمجھتا تو اس کا مطلب ہے وہ قصور وار ہے اور مجرم ہے۔

(۱۳) مترجمین نے اس میں اس لئے خطا کی ہے کہ زلیخا کا کلام یہ نہیں کیونکہ وہ رب کو نہیں مانتی تھی اس کا جواب خود قرآن میں موجود ہے کہ زلیخا اور زنان مصر اللہ اور فرشتوں کو مانتی تھیں اس لئے تو انہوں نے یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر حاش للہ اور ملک کریم کہا۔ واللہ اعلم۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے کرتے کا کمال

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِذۡهَبُوۡا بِقَمِیۡصِیۡ هٰذَا فَاَلۡقُوۡهُ عَلٰی وَجۡهِ اَبِیۡ یَاۡتِ بَصِیۡرًا ۚ

آیت کے حوالہ جات

سورت کا نام	یوسف
سورت کا نمبر	۱۲
آیت نمبر	۹۳

آیت کا ترجمہ

”لے جاؤ یہ میرا قمیض پس اسے میرے باپ کے چہرے پر ڈالو وہ بینا ہو جائیں گے“۔

نکتہ بیانی

(۱) حضرت یوسف علیہ السلام کے ہجر میں رو رو کر حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی جاتی رہی۔ جب یوسف علیہ السلام کو بھائیوں نے والد کی حالت سے آگاہ کیا تو یوسف علیہ السلام نے انہیں اپنا قمیض دیا کہ جاؤ اسے میرے باپ کے چہرے پر ڈالو بینائی واپس آجائے گی۔

(۲) حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا: میرے باپ، تمہارے باپ نہیں کہا کیونکہ جو والہانہ محبت آپ سے آپ کے والد کو تھی وہ کسی اور بیٹے سے نہیں تھی۔

(۳) یوسف علیہ السلام نے جب اپنے بھائیوں سے فرمایا کہ میرا قمیض میرے باپ کے چہرے پر رکھنا تو بینائی واپس آجائے گی تو وہ اس پر حیران نہیں ہوئے کہ ایک کرتے کا بینائی لانے سے کیا تعلق اس کے لئے تو دوا چاہئے چنانچہ وہ آپ کے مقام و مرتبے

سے آشنا ہو گئے۔

(۴) حضرت یوسف علیہ السلام نے کرتے کی نسبت اپنی طرف کی یعنی نبی کے کرتے میں یہ کمال نبی کے جسم سے مس ہونے کی بنا پر پیدا ہوا جب نبی کے کرتے میں اللہ تعالیٰ نے یہ کمال رکھا ہے تو نبی کی اپنی ذات میں کتنے کمالات ہوں گے؟

(۵) حضرت یوسف علیہ السلام چاہتے تو اللہ تعالیٰ سے باپ کی بینائی کی واپسی کے لئے دعا کرتے لیکن انہوں نے دعا کی بجائے اپنا کرتہ دے بھیجا اور یقین سے کہا کہ اس سے بینائی واپس لوٹ آئیگی۔ یوسف نے ایسا اس لئے کیا کہ لوگوں پر نبی کی عظمت اور وسیلے کی اہمیت واضح ہو جائے جیسے آج کل کئی لوگ وسیلے کے منکر ہیں اس دور میں بھی ہوں گے۔ یہ آیت انبیاء علیہم السلام کے آثار سے برکت حاصل نہ کرنیوالے اور نبی کے وسیلے کے منکرین پر طمانچہ ہے۔

(۶) آیت نمبر ۹۶ میں قرآن کہتا ہے:

فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰـهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ

''پس جب خوشخبری سنانے والا آیا (اور) اس نے وہ قمیض آپ علیہ السلام کے چہرے پر ڈالا تو وہ فوراً بینا ہو گئے''۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی یہ نہیں فرمایا کہ اس کپڑے کے ذریعے نظر کیسے واپس آ سکتی ہے؟ بلکہ آپ نے اسے اپنے چہرے پر رکھا اور نظر واپس آ گئی۔ آپ نے وسیلے کو قبول کیا تا کہ وسیلہ قبول کرنا بھی نبی کی سنت بن جائے اور آثار انبیاء و صالحین سے تبرک مشروع ہو جائے اس میں کوئی شک نہیں کہ بینائی تو واپس اللہ نے کی لیکن وسیلہ یوسف علیہ السلام کا قمیص بنا۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ روحانی علاج جائز ہے بشرطیکہ اسکا طریقہ مناسب اور شرعی حدود میں ہو۔
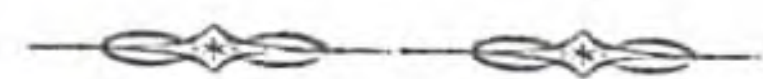
حفاظت قرآن

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ○

آیت کے حوالہ جات

سورت کا نام	الحجر
سورت کا نمبر	۱۵
آیت نمبر	۹

آیت کا ترجمہ

''بے شک ہم نے اس ذکر (قرآن مجید) کو اتارا اور یقیناً ہم ہی اس کے محافظ ہیں''۔

نکتہ بیانی

(۱) قرآن اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اس سے قبل بھی کتب نازل ہوئیں جیسے تورات، زبور اور انجیل حالانکہ بلاشک وشبہ تمام الہامی کتابیں اللہ تعالیٰ کا کلام تھیں اور قرآن مجید بھی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے وہ کتب بھی وحی کے ذریعے انبیاء علیہم السلام تک پہنچیں۔ یہ کتاب قرآن بھی وحی کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اترا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اللہ نے قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ اس لئے لیا کہ یہ اللہ کا کلام ہے تو پھر تورات، انجیل اور زبور بھی تو اللہ کا کلام تھا۔ اللہ نے ان کی حفاظت کی ذمہ داری نہیں لی۔ قرآن ہی کی کیوں؟ اس کی بنیادی طور پر دو وجوہات ہوسکتی ہیں۔ ایک تو یہ

وہ کتاب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی محمد مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم پر نازل فرمایا اور محبوب کی چیز بھی محبوب ہوتی ہے لہٰذا اللہ نے اس کلام کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے ذمہ لی۔ دوسرے یہ کہ اس کلام کے بعد کوئی اور کتاب نازل نہیں ہونی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی حفاظت میں لے لیا تاکہ تاقیامت کلام الٰہی امت محمدیہ کی رہنمائی کرتا رہے۔ واللہ اعلم۔

حضور ﷺ کی زندگی کی قسم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

لَعَمۡرُكَ اِنَّهُمۡ لَفِیۡ سَكۡرَتِهِمۡ یَعۡمَهُوۡنَ ○

آیت کے حوالہ جات

سورت کا نام	الحجر
سورت کا نمبر	۱۵
آیت نمبر	۷۲

آیت کا ترجمہ

''آپ ﷺ کی زندگی کی قسم یہ (نشے میں) مست ہیں بہکے بہکے پھرتے ہیں''۔

نکتہ بیانی

(۱) اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی ساری زندگی کی قسم کھائی ہے اس میں وہ دور بھی شامل ہے جو بعثت سے پہلے تھا اور وہ دور بھی شامل ہے جو بعثت کے بعد تھا۔

(۲) اللہ تعالیٰ کا اپنے محبوب ﷺ کی ساری زندگی کی قسم کھانا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ کی تمام حیات مبارکہ پاکیزہ اور منزہ ہے۔ نیز آپ چالیس سال میں نبی نہیں بنے بلکہ شروع ہی سے آپ ﷺ نبی ہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی زندگی کی قسم کھائی جس کی زندگی کی قسم رب خود کھائے اس کی زندگی کو کون ہے جو گرد نہ پہنچا سکے؟

(۴) اللہ تعالیٰ کا آپ ﷺ کی زندگی کی قسم کھانا آپ ﷺ کے لئے بہت

بڑا اعزاز و رتبہ ہے کیونکہ اللہ نے آپ ﷺ سے پہلے کسی کی زندگی کی قسم کھائی ہی نہیں ہے۔ لہٰذا یہ اعزاز فقط آپ ﷺ کو حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی زندگی کی قسم کھائی۔ اللہ تعالیٰ عیب دار چیزوں کی قسمیں نہیں اٹھاتا۔ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی ساری زندگی بے عیب ہے۔

بقول حسان خلقت مبرا من کل عیب
کانک قد خلقت کما تشاء

اللہ سے مددگار کی طلب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا۝

آیت کے حوالہ جات

سورت کا نام	بنی اسرائیل
سورت کا نمبر	۱۷
آیت نمبر	۸۰

آیت کا ترجمہ

''اور دعا مانگا کیجئے کہ اے میرے رب! جہاں کہیں تو مجھے لے جائے' سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں کہیں سے مجھے لے آئے سچائی کے ساتھ لے آ اور عطا فرما وہ قوت جو مددگار ہو''۔

نکتہ بیانی

(۱) اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یہ دعا سکھائی۔ بعض مفسرین کے نزدیک اس لے جانے اور لے آنے سے مراد مکہ مکرمہ سے آپ ﷺ کا نکلنا اور مدینہ منورہ میں داخل ہونا ہے۔

(۲) بعض نے کہا کہ پہلے جملے سے مراد موت اور دوسرے جملے سے مراد حیات بعد الموت ہے۔ تاہم آیت میں ''صدق'' کا لفظ انتہائی قابل توجہ ہے۔ ''صدق'' سچائی کو کہتے ہیں اور صدق سے مراد حق بھی لیا جا سکتا ہے کیونکہ حق بھی سچائی ہوتا ہے۔ جیسا کہ

اس آیت کے اگلے حصے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ" حق آ گیا اور باطل مٹ گیا۔ سیاق کلام کا تقاضا یہی ہے کہ صدق سے مراد حق ہو۔

(۳) انسان کی حرکت دو طرح کی ہوتی ہے یا تو وہ کہیں جا رہا ہوتا ہے یا کہیں سے آ رہا ہوتا ہے اور حضور ﷺ کو یہ دعا بتائی گئی کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں کہ یا اللہ میں جہاں جاؤں یا جہاں سے آؤں صدق وحق میرے ساتھ رہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے یہ بھی سکھایا کہ آپ عرض کریں یا اللہ! مجھے اپنی بارگاہ سے مددگار عطا فرما۔ اس سے معلوم ہوا کہ مددگار کا میسر آنا در حقیقت اللہ کی مدد ہے کیونکہ مددگار فرشتہ ہو یا انسان وہ تو ایک وسیلہ بنتا ہے۔ مدد تو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ بس فرق صرف یہ ہے کہ بندہ مجازی عامل ہے اور اللہ تعالیٰ حقیقی فاعل ہے۔

فعل کی نسبت مجازی فاعل کی طرف کرنا ہرگز شرک نہیں جیسا کہ خارجیوں کا حال ہے کہ وہ یارسول اللہ مدد کو شرک کہتے ہیں۔ ہاں یہ شرک تب ہوگا جب رسول کو مستقل سبب اور حقیقی سبب سمجھا جائے گا۔ جیسے بدر میں مسلمانوں نے کفار کو قتل کیا لیکن اللہ نے فرمایا کہ انہیں اللہ نے قتل کیا۔ فعل کے دو فاعل بیان کئے گئے ہیں اور دونوں درست ہیں۔ اگر یہی راز نجدیوں کی سمجھ میں آ جائے تو شرک و بدعت کی حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے۔ کنکریاں نبی نے پھینکیں۔ اللہ نے فرمایا: میں نے پھینکیں۔ اب نہ تو اللہ محمد ﷺ اور نہ محمد ﷺ اللہ ہیں۔ اللہ معبود ہے۔ آپ ﷺ اس کے عبد ہیں۔ لیکن ایک ہی فعل کی نسبت دونوں کی طرف کی گئی۔ ایک کی طرف جہت تحرک ہے دوسرے کی طرف جہت حقیقت ہے۔

قرآن شفاء ورحمت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ۝

آیت کے حوالہ جات

سورت کا نام	بنی اسرائیل
سورت کا نمبر	۱۷
آیت نمبر	۸۲

آیت کا ترجمہ

''اور ہم نازل کرتے ہیں قرآن مجید میں سے وہ چیزیں جو (باعث) شفاء اور سراپا رحمت ہیں اہل ایمان کے لئے اور قرآن نہیں بڑھاتا مگر ظالموں کے لئے خسارہ کو''۔

نکتہ بیانی

(۱) اللہ رب العزت نے قرآن مجید کی بابت فرمایا کہ ہم اس میں سے وہ کچھ نازل کرتے ہیں جو مومنین کے لئے شفاء اور رحمت ہیں۔ شفاء صحت کو کہتے ہیں یعنی بیماری کے دور ہونے اور صحت یاب ہونے کا نام شفاء ہے۔ شفاء کی دو اقسام ہیں۔

(i) شفائے ظاہری یعنی جسمانی مرض سے شفایاب ہونا۔

(ii) شفائے باطنی یعنی دل کی بیماری اور استعداد کی درستگی

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن ہی کی بات فرمایا کہ یہ قرآن شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ

ہے یعنی دلوں کو شفا دینے والا ہے۔

قرآن دونوں شفائیں عطا کرتا ہے۔ قرآن کی پہلی سورت فاتحہ کو سورت رقیہ بھی کہا جاتا ہے جس کے معنی پھونکنے والی ہیں۔

ابن کثیر کے مطابق ایک قبیلے کے سردار کو سانپ نے ڈس لیا تھا اور ایک صحابی نے سورۃ فاتحہ پڑھ کر پھونکی تو وہ صحت یاب ہو گیا۔ تاہم قرآن سے شفاء یابی کے لئے ایمان شرط ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب قرآن کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو ایمان والوں کے ایمان میں اور زیادہ اضافہ یعنی استحکام پیدا ہوتا ہے۔

(۲) دوسری چیز جو مومنین کو قرآن سے ملتی ہے وہ رحمت ہے۔ رحمت سے مراد رقت قلب ہے یعنی دل کا نرم و ملائم ہونا اور جب دل نرم ہوگا تو معاملات درست ہوں گے۔ رقت قلبی دوسروں پہ رحم کرنے اور شفقت کرنے کی طرف مائل کرتی ہے جس سے بھلائی کے راستے کھلتے اور اخلاق کا رنگ پیدا ہوتا ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے واضح کیا کہ جو لوگ ظالم ہیں۔ ان کو سوائے خسارے کے کچھ میسر نہیں آتا۔ ظالم کی کئی صورتیں ہیں۔ یہاں بیان کی جائیں تو موضوع طوالت کا شکار ہو جائے گا۔ تاہم اتنا سمجھ لیجئے کہ ظالم وہ ہے جو حق کو نہ پہچانے۔ حق کی طرف مائل نہ ہو اور حدود سے تجاوز کر جائے وہ چونکہ آیات ربانی سے منہ پھیر لیتا ہے لہٰذا اس میں حق قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی اور حدود الٰہیہ سے باہر ہونا یا تو غفلت اور کمزوری و بے توجہی کی وجہ سے ہوتا ہے اور کبھی حدود سے باہر ہونا تکبر اور غرور کی وجہ سے ہوتا ہے۔

پہلے قسم کے ظالم کو توفیق اصلاح میسر آ جاتی ہے لیکن دوسرے کا خسارہ بڑھتا رہتا ہے۔ الا ماشاء اللہ واللہ اعلم

روح کا علم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ۝

آیت کے حوالہ جات

سورت کا نام	بنی اسرائیل
سورت کا نمبر	۱۷
آیت نمبر	۸۵

آیت کا ترجمہ

”یہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں (انہیں) بتائیے کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے اور نہیں دیا گیا تمہیں علم مگر تھوڑا سا“۔

نکتہ بیانی

(۱) کچھ یہودیوں نے طے کیا کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم سے روح کے بارے میں استفسار کریں۔ان کا مقصد الجھانا تھا جب انہوں نے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم سے روح کے بارے میں سوال کیا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

(۲) روح کو امر ربی قرار دیا گیا ہے۔ یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے ربوبیت کی نسبت آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی ذات کی طرف کی۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَہُ الْخَلْقُ وَلَہُ الْاَمْرُ مخلوق اسی کی ہے اور امر بھی اسی کا ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور نہیں دیا گیا علم تمہیں مگر تھوڑا سا یہاں یہ نہیں کہا کہ آپ

ﷺ کو تھوڑا سا علم دیا گیا بلکہ سوال کرنیوالوں سے فرمایا کہ تمہیں تھوڑا سا علم دیا گیا ہے۔ جو علم سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے لہٰذا کم علم میں یہ صلاحیت کیسے ہو سکتی ہے جیسے ایک چھوٹا سا بچہ یہ کہے کہ دو من وزن میرے سر پر رکھو تو اسے کہا جائے گا کہ تمہارے اندر اتنی طاقت نہیں کہ تم یہ بوجھ اٹھا سکو۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے روح کی بابت سوال کرنیوالوں پر واضح کیا کہ تمہاری علمی بصیرت اتنی نہیں ہے کہ تم روح کے پیچیدہ معاملے کو سمجھ سکو۔

(۴) چونکہ یہودی اس موضوع پر فقط آپ ﷺ سے بحث کرنے آئے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایسا جواب عطا فرمایا کہ ان کے لئے بحث کا چارہ نہ رہا۔

(۵) روح کے متعلق مختلف نکتہ ہائے نظر ہیں۔ روح سے مراد حضرت جبریل بھی مراد ہیں اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی ''روح'' فرمایا کیونکہ وہ مردہ زندہ کرتے تھے۔

(۶) روح کا جسم کے ساتھ ایک خاص تعلق ہے۔ اس تعلق کی کیفیت کو نفس کہتے ہیں۔ یوں سمجھ لیجئے کہ وہ شے جس کے ذریعے روح کو جسم کے ساتھ جوڑ کر جسم کو متحرک کیا جاتا ہے' وہ نفس ہے اور جب نفس کا انقطاع ہوتا ہے تو جسم سے روح کا تعلق منقطع ہو جاتا ہے۔ یوں موت واقع ہوتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ

''ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے'' جس سے واضح ہوتا ہے کہ موت جسم کو نہیں آتی اور نہ ہی روح کو آتی ہے بلکہ نفس کو آتی ہے۔

(۷) اس آیت مبارکہ سے یہ استدلال کرنا کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے روح کا علم عطا نہیں فرمایا درست نہیں ہے۔ نیز اگر آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے روح کا علم عطا نہ کیا ہوتا تو آپ ﷺ پر یہ وحی نازل نہ ہوتی کہ تمہیں تھوڑا علم عطا کیا گیا ہے بلکہ یوں ہوتی کہ ہمیں یا مجھے تھوڑا علم عطا کیا گیا ہے حالانکہ ایسا نہیں کہا گیا بلکہ سوال کرنے والوں سے کہا گیا کہ تمہیں تھوڑا علم عطا کیا گیا ہے۔

مفسر قرآن ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ۔ ایم اے (الازہری) قدس سرہٗ اپنی شہرہ آفاق تفسیر ضیاء القرآن میں اس آیت مبارکہ کی شرح اور شان نزول یوں رقم فرماتے ہیں:

اس آیت کی شان نزول کیا ہے۔ اس کے متعلق دو روایتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ یہود کی انگیخت پر مشرکین مکہ نے روح کی حقیقت کے بارے میں حضور رحمت عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا۔ دوسری یہ کہ ہجرت کے بعد جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ طیبہ تشریف فرما ہوئے تو وہاں کے احبار یہود نے اس معمہ کا حل امتحاناً دریافت کرنا چاہا بہر حال یہ ایک ایسا مسئلہ تھا جس کی خلش ہر غور و فکر کرنے والا اپنے دل و دماغ میں محسوس کرتا تھا۔ چنانچہ ہر زمانہ کے فلسفیوں نے اس معمہ کو حل کرنے کی انتہائی کوشش کی لیکن ہر کوشش نے اسے پیچیدہ سے پیچیدہ تر بنا دیا۔ یہی سوال جب بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں پیش کیا گیا تو زبان قدرت نے اس کا یہ مختصر لیکن جامع جواب دے کر تمام ادہام و شکوک کا دروازہ بند کر دیا۔ الروح من امر ربی یعنی روح میرے رب کا امر ہے۔

علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے ضمن میں بڑی تفصیلی بحث کے بعد لکھتے ہیں:

وهذا الاية لا تقتضي نفي العلم بالروح للنبي والاصحاب البصائر من اتباعه:

کہ اس آیت سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضور اقدس ﷺ کو اور حضور اقدس ﷺ کے ارباب بصیرت اطاعت کیشوں کو روح کا علم نہ تھا کیونکہ ان نفوس قدسیہ کو علم صرف حواس اور کسب و اکتساب سے ہی حاصل نہیں ہوتا بلکہ حواس اور کسب و اکتساب کے بغیر اشیاء کے حقائق کا علم انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام کیا جاتا ہے۔ ان کے دلوں کے کان ہیں جن سے وہ ایسی باتیں سنتے ہیں جو ظاہری کان نہیں سن سکتے۔ ان کے دلوں کی آنکھیں ہیں جن سے وہ ایسی چیزوں کو دیکھتے ہیں جنہیں یہ ظاہری آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں۔ اس کے بعد علامہ موصوف نے یہ حدیث مشہور نقل کی ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال اللہ تعالٰی لا یزال العبد یتقرب الی بالنوافل حتی احببتہ فاذا احببتہ لکنت سمعہ الذی یسمع بہ و بصرہ الذی یبصر بہ والحدیث:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالٰی ارشاد فرماتے ہیں کہ بندہ نفلی عبادتوں کے ذریعے میرے نزدیک ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں ہی اس کی قوت سمع بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور قوت بینائی بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ (تفسیر مظہری تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو) حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے روح کے معنی پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اطباء کے نزدیک روح کی تعریف یہ ہے کہ روح ایک ''جسم لطیف'' ہے جس کا منبع تجویف قلب ہے۔ جو بدن میں پھیلی ہوئی رگ وریشہ کے ذریعے جسم کی ہر جز میں سرایت کر جاتا ہے اور علماء حقیقت کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے۔

(ترجمہ) یعنی یہ ایک ''لطیفہ'' ہے۔ جو علم اور ادراک کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اسی کے متعلق اس آیت میں اشارہ ہے۔ قل الروح من امر ربی اور یہ اللہ تعالٰی کے رازوں میں سے ایک عجیب راز ہے جس کی حقیقت کو سمجھنے سے بیشتر عقلیں قاصر ہیں۔

علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ شارح صحیح بخاری ان لوگوں کا رد کرتے ہوئے جو یہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو روح کا علم نہیں دیا گیا۔ لکھتے ہیں:

(ترجمہ) میں کہتا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو اللہ تعالٰی کے حبیب اور اس کی ساری مخلوق کے سردار ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منصب اس سے بہت بلند ہے کہ آپ کو روح کا علم نہ ہو حالانکہ اللہ تعالٰی نے آپ پر احسان کرتے ہوئے فرمایا: وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ الایۃ اللہ تعالٰی نے آپ کو ہر وہ بات سکھا دی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں جانتے تھے اور (اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رب کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فضل عظیم ہے۔

اصحاب کہف کا کتا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
وَ کَلۡبُہُمۡ بَاسِطٌ ذِرَاعَیۡہِ بِالۡوَصِیۡدِ ؕ

آیت کے حوالہ جات

سورت کا نام	کہف
سورت کا نمبر	۱۸
آیت نمبر	۱۸

آیت کا ترجمہ

''ان کا کتا اپنے دونوں بازو پھیلائے ان کی دہلیز پر بیٹھا ہے''۔

نکتہ بیانی

(۱) ابن کثیر میں ہے کہ کتے کا نام قطمیر تھا۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر نام کے ساتھ نہیں کیا بلکہ اصحاب کہف سے نسبت کے ساتھ کیا ہے اور سورت میں چار مرتبہ کتے کی نسبت اصحاب کہف کی طرف کی گئی ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ نسبت صالحین کتنی عظیم نعمت ہے کہ وہ کتے کو بھی حاصل ہو جائے تو رب اس کا کلام میں ذکر کرے اس لئے مولانا روم نے کہا:

؎ یک زمانہ صحبت با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

(۲) اللہ تعالیٰ نے کتے کے اصحاب کہف کی دہلیز پر بیٹھنے کے انداز کا بھی ذکر فرمایا

ہے کہ وہ اپنے دونوں بازو پھیلائے ان کے آستانے پہ بیٹھا ہے۔ اس سے سالکین اور مریدین کے لئے سبق ہے کہ وہ جب صحبت اولیاء میں آئیں تو ادب کو ملحوظ خاطر رکھیں۔ جب کتے کو اللہ کے بندوں کے در کے آداب آتے ہیں۔ اب اگر انسان اولیاء اللہ کا نافرمان اور بے ادب ہو تو وہ کتے سے بھی گیا گزرا ہے۔

صحبت اتقیاء

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ

آیت کے حوالہ جات

سورت کا نام	کہف
سورت کا نمبر	۱۸
آیت نمبر	۲۸

آیت کا ترجمہ

''اور روکے رکھوں اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ جو صبح شام رب کو اس کی رضا کی خاطر پکارتے ہیں''۔

نکتہ بیانی

(۱) حکم دیا گیا ہے کہ اپنے نفس کو ان لوگوں کے ساتھ جوڑیئے جو صبح شام اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اس کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں جب انسان کا نفس اولیاء سے منسلک ہو جائے گا تو اس کے نفس میں روحانی ارتقاء پیدا ہوگا اور ذاکرین الٰہی اولیاء اللہ کا فیضان اس کے نفس کی حالت کو بدل دے گا۔

ع نفس جڑ جائے جو اللہ والوں سے
بس کیا ہوتا ہے تقدیر بدل جاتی ہے

(۲) یہاں صحبت صالحین اور اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی رضا طلبی کی اہمیت واضح

کی گئی ہے اور خبردار کیا گیا ہے کہ اللہ کے جو بندے اللہ کی رضا کی خاطر ہر وقت اس کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں درحقیقت وہی اللہ کے اولیاء ہیں اور انہیں سے تعلق اور نسبت رکھنی چاہیے جو ریاکاری کرے وہ ہرگز اللہ کا ولی نہیں ہوسکتا۔ ان کی پہچان ہی یہی ہے کہ وہ اللہ کی رضا کے طلبگار ہوتے ہیں۔ دنیاوی مقاصد کے لئے اللہ کا ذکر نہیں کرتے۔ ایسوں کی صحبت ایک نعمت ہے۔

بشریت مصطفیٰ ﷺ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ یُوۡحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰـہُکُمۡ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ ۚ

آیت کے حوالہ جات

سورت کا نام	کہف
سورت کا نمبر	۱۸
آیت نمبر	۱۱۰

آیت کا ترجمہ

''آپ ﷺ فرمایئے کہ میں بشر ہی ہوں تمہاری طرح میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود اکیلا ہے''۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَقَالُوۡا قُلُوۡبُنَا فِیۡۤ اَکِنَّۃٍ مِّمَّا تَدۡعُوۡنَاۤ اِلَیۡہِ وَفِیۡۤ اٰذَانِنَا وَقۡرٌ وَّمِنۡۢ بَیۡنِنَا وَبَیۡنِکَ حِجَابٌ فَاعۡمَلۡ اِنَّنَا عٰمِلُوۡنَ ○ قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ یُوۡحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰـہُکُمۡ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ

آیت کے حوالہ جات

سورت کا نام	حم السجدہ
سورت کا نمبر	۴۱
آیت نمبر	۵،۶

آیات کا ترجمہ

''اور (مشرک) کہتے ہیں کہ ہمارے دل اس چیز سے غلافوں میں ہیں جس کی طرف آپ ہمیں بلاتے ہیں اور ہمارے کانوں میں (بہرے پن کا) بوجھ ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان پردہ ہے سو آپ (اپنا) عمل کرتے رہیں ہم اپنا عمل کرنے والے ہیں۔

فرمادیجئے بس میں ظاہر میں تمہارے جیسا ہی ہوں میری طرف یہ وحی بھیجی گئی ہے کہ تمہارا معبود اکیلا معبود ہے''۔

نکتہ بیانی

(ا) دو مقامات پر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے اپنے بشر ہونے کا اظہار فرمایا اور دونوں میں مشرکین کو خطاب کیا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا مشرکین آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کو بشر نہیں مانتے تھے؟ یا صحابہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی بشریت کے منکر تھے دراصل مشرکین کا گمان یہ تھا کہ اگر بشر پر آیات اترتی ہیں تو ہم بھی تو بشر ہیں ہمارے اوپر آیات کیوں نہیں اترتیں۔ دوسرے شاید مشرکین کا خیال تھا کہ بشر کیسے نبی ہوسکتا ہے؟ تب آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے ان پر واضح کردیا کہ میں بھی تمہاری طرح ظاہراً بشر ہی ہوں لیکن فرق یہ ہے کہ میرے اوپر وحی نازل ہوتی ہے اور وحی کا بشر پر نازل ہونا کوئی ناممکن بات نہیں۔ یہاں آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے یوحٰی الی کے ساتھ اپنی بشریت کی صفت بیان کی ورنہ وہ مشرکین آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کو بشر مانتے تھے اور دیگر انبیاء علیہم السلام کو بھی بشر مانتے تھے۔ آگے چل کر اس کا ذکر آئیگا۔ یہ آیت متشبہات سے ہے کیونکہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم جن لوگوں سے فرمارہے ہیں کہ میں تم جیسا ہوں وہ مشرک تھے۔ معاذ اللہ آپ ان جیسے نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ'' اور مومن بندہ مشرک سے بہتر ہے۔ اب ذرا غور کریں کہ بشر کسے کہتے ہیں۔

امام راغب اصفہانی ''مفردات القرآن'' میں لکھتے ہیں۔

''البشرۃ کے معنی انسان کی جلد کی اوپر کی سطح کے ہیں، مبشرہ کی جمع بشر یا بشار آتی ہے اور اسی سے انسان کو بشر کہا جاتا ہے کہ اس کی جلد بالوں سے صاف ہوتی ہے اس کے برعکس دیگر حیوانوں کی جلد پر بال اور اون یا پشم ہوتی ہے۔

قرآن مجید میں کئی مقامات پر کافروں کے اس رویے کا ذکر کیا گیا ہے جس میں وہ نبی کو بشر کہتے اور اپنی مثال سمجھ کر کہتے کہ اگر تمہارے اوپر آیات اور فرشتہ نازل ہوتا ہے تو ہمارے اوپر کیوں نہیں۔ چند ایسی آیات کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

(۱) ''کیا تمہیں ان کی خبریں نہ آئیں جو تم سے پہلے تھی۔ نوح علیہ السلام کی قوم عاد اور ثمود اور جو ان کے بعد ہوئے انہیں اللہ ہی جانے ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں لے کر آئے تو وہ اپنے ہاتھ اپنے منہ کی طرف لے گئے (یعنی تعجب کرنے لگے) بولے ہم منکر ہیں اس کے جو تمہارے پاس بھیجا گیا اور جس راہ کی طرف ہمیں بلاتے ہو اس میں ہمیں وہ شک ہے کہ بات کھلنے نہیں دیتا ان کے رسولوں نے کہا کیا اللہ میں شک ہے آسمان اور زمین کا بنانے والا تمہیں بلاتا ہے کہ تمہارے کچھ گناہ بخشے اور موت کے مقررہ وقت تک تمہاری زندگی بے عذاب کاٹ دے۔ بولے تم تو ہمیں جیسے آدمی ہو تم چاہتے ہو کہ ہمیں اس سے باز رکھو جو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے اب کوئی روشن سند ہمارے پاس لے آؤ ان کے رسولوں نے ان سے کہا ہم ہیں تو تمہاری طرح انسان مگر اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے احسان فرماتا ہے''۔ (ابراہیم، آیت ۸تا۱۱)

(۲) ''اور ظالموں نے آپس میں خفیہ مشورہ کیا کہ یہ کون ہیں۔ ایک تمہی جیسے آدمی تو ہیں کیا جادو کے پاس جاتے ہو دیکھ بال کر''۔ (الانبیاء، آیت ۳)

(۳) ''تو ان (نوح علیہ السلام) کی قوم کے جن سرداروں نے کفر کیا بولے یہ تو نہیں مگر تم جیسا آدمی چاہتا ہے کہ تمہارا بڑا بنے اور اللہ چاہتا تو فرشتے اتارتا ہم نے تو یہ اگلے باپ داداؤں میں سے نہ سنا''۔ (المومنون، آیت ۲۴)

(۴) ''کہ یہ تو نہیں مگر تم جیسا آدمی جو تم کھاتے ہو اسی میں سے کھاتا ہے اور جو تم پیتے ہو اسی میں سے پیتا ہے اور اگر تم کسی اپنے جیسے آدمی کی اطاعت کرو جب تو تم ضرور گھاٹے میں ہو''۔ (المومنون' آیت ۳۳'۳۴)

(۵) ''تم (اے محبوب ﷺ) فرماؤ کہ پاکی ہے میرے رب کو میں کون ہوں مگر آدمی اللہ کا بھیجا ہوا''۔ (بنی اسرائیل' آیت ۹۳)

(۶) ''تو اس (نوح علیہ السلام) کی قوم کے سردار جو کافر ہوئے تھے۔ بولے ہم تو تمہیں اپنے جیسا ہی آدمی دیکھتے ہیں اور ہم نہیں دیکھتے کہ تمہاری پیروی کسی نے کی ہو مگر ہمارے کمینوں نے سرسری نظر سے اور ہم تم میں اپنے اوپر کوئی بڑائی نہیں پاتے بلکہ ہم تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں''۔ (ہود' آیت ۲۷)

درج بالا آیات کے تراجم کو پڑھنے کے بعد کفار و مشرکین کی سوچ اور فکر کے درج ذیل انداز سامنے آتے ہیں۔

۱- باپ دادا کے دین کی بقا کے لئے انبیاء علیہم السلام کی بشریت اور مثلیت کو محاذ بنا کر عجیب و غریب مطالبات کرتے حیرانی کی بات ہے۔ ایک طرف تو وہ انبیاء علیہم السلام کو اپنے جیسا بشر کہتے لیکن مطالبات وہ کرتے جو عام بشر کے اختیار میں ہو ہی نہیں سکتے۔ انسان ہونے کے باوجود انبیاء علیہم السلام کی نبوت کو نہیں مانتے تھے لیکن پتھر سے بنے بتوں کو خدا ماننے کے لئے رضامند تھے۔

(۲) جب وہ کسی نبی کو اپنے جیسا آدمی کہتے لیکن اگر وہ کوئی معجزہ دکھا دیتا تو اسے جادوگر قرار دیتے۔

(۳) بعض اوقات وہ اس غم میں بشریت و مثلیت کا رونا روتے تا کہ کہیں نبوت کی وجہ سے یہ ہم پر فضیلت حاصل نہ کرے اور یہ عمل اکثر سرداروں کا تھا۔

(۴) کبھی وہ انبیاء علیہم السلام کی نبوت کو نہ ماننے کے چکر میں کہتے کہ اللہ چاہتا تو ہم پر فرشتے اتارتا لیکن یہ تمام باتیں نبوت کو نہ ماننے کا راستہ ہموار کرنے کا بہانہ تھیں اگر

فرشتے آ بھی جاتے تو ایسے لوگ ایمان پھر بھی نہ لاتے کیونکہ ان کا مقصد اپنے کفر کا دفاع تھا نہ کہ ایمان قبول کرنے کا جذبہ۔

(۵) مذہبی ٹکراؤ یا بحث میں انبیاء علیہم السلام اپنی نسبت اللہ کی طرف کرتے اور توحید پر زور دیتے کفار و مشرکین انہیں اپنی مثل قرار دینے کے بعد اپنے کفر اور باپ دادا کے دین کو قائم رکھنے کی کوشش کرتے۔

(۶) کفار و مشرکین نے ہمیشہ بشریت و مثلیت کی رٹ لگائے رکھی۔ انبیاء علیہم السلام کے فضائل و کمالات مان لیتے تو پھر کافر نہ رہتے مسلمان ہو جاتے۔

۷۔ نبی کو اپنی مثل سمجھنا ظلم ہے۔

کیا مثلیت سے حقیقت ایک ہو جاتی ہے؟

سونا ایک دھات ہے تو لوہا بھی ایک دھات جب دھات کا لفظ استعمال ہوگا تو دونوں شمار ہوں گے لیکن حقیقت میں لوہا سونے کا مقابلہ ہرگز نہیں کر سکتا۔ اسی طرح ہیرہ بھی پتھر ہے اور مرمر بھی پتھر ہے لیکن دونوں کی قیمتوں اور اہمیت میں بہت بڑا فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں مثلیت اور مقام و عظمت کے فرق کو جانچنے کے لئے واضح کر دیا۔ فرمایا:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ

اور نہیں کوئی زمین میں چلنے والا اور نہ کوئی پرندہ کہ اپنے پروں پر اڑتا ہے مگر تم جیسی امتیں۔

زمین پر چلنے والے گروہوں میں گدھے، خنزیر درندے وغیرہ سب کے گروہ شامل ہیں تو کیا اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ کے الفاظ کی بدولت وہ اور گروہ انسان ایک ہو گئے حالانکہ انسان احسن تقویم اور اشرف المخلوقات ہے اور مومنین کو تو کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ کہا گیا۔ پھر کیسے انسان دیگر مخلوق کی مثل ہو سکتا ہے؟

○ مماثلت دو قسم کی ہوتی ہے۔

(i) مماثلت صوری یا ظاہری

(ii) مماثلت حقیقی یا عین مماثل

مماثلت صوری کی مثال:

جیسے سونے اور چاندی کے دو کنگن ایک ہی سائز اور ایک جیسے نقش و نگار اور ایک جیسا وزن رکھتے ہوں۔ دونوں کے لئے لفظ کنگن استعمال ہوگا۔ ایک لفظ کے استعمال سے ان کی حقیقت ایک نہیں ہو جائے گی کیونکہ یہ ظاہری یا صوری مماثلت ہے حقیقی نہیں۔

مماثلت حقیقی کی مثال:

اگر دونوں ہی کنگن سونے کے ہی ہوں۔ ہم وزن بھی ایک جیسے ہوں، ماہئیت بھی ایک جیسی ہو اور نقوش و نگار بھی ایک جیسی ہوں تو اس مماثلت کو ہم مماثلت حقیقی کہیں گے۔

بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بشر ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشریت کا منکر کافر ہے لیکن آپ کی بشریت ہماری بشریت کے ساتھ ظاہری مماثلت رکھتی ہے نہ کہ حقیقی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: ''میری حقیقت میرے رب کے سوا کوئی نہیں جانتا''۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشریت کو ان اوصاف سے متصف کیا گیا جو کسی اور کے حصے میں نہیں آئے ان میں سے کچھ اوصاف کا ذکر کرتے ہیں جو مختلف کتب احادیث و سیر میں بیان کئے گئے ہیں جن سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشریت اور عام بشریت میں واضح امتیاز اور فرق موجود ہے۔

(i) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ انور سورج اور چاند کی طرح روشن تھا اور حالت ایمان میں جس نے وہ چہرا دیکھا اس پر جہنم کی آگ حرام ہوگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے پر والضحی کی روشنی تھی۔

(ii) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موئے مبارک سے تبرک حاصل کیا جاتا، حضرت خالد بن

ولید نے آپ ﷺ کے موئے مبارک کو اپنی ٹوپی میں رکھا ہوا تھا۔

(iii) آپ ﷺ کی چشمان مبارک جو کچھ دیکھتیں وہ کوئی اور نہیں دیکھتا تھا۔ آپ نے حوض کوثر کا مشاہدہ کیا۔ آپ ﷺ جیسے آگے دیکھتے ویسے پیچھے دیکھتے۔

(iv) آپ کے ہاتھ کو اللہ نے اپنا ہاتھ قرار دیا نیز ہاتھ کی رسائی اتنی تھی کہ حالت نماز آپ ﷺ نے ہاتھ اوپر کیا تو جنت کے شجر تک جا پہنچا۔

(v) آپ ﷺ دور و نزدیک سے سنتے تھے۔ آپ ﷺ نے جنت میں بلال رضی اللہ عنہ کے قدموں کی آواز سنی نیز آسمان کے دروازے کے کھلنے کی آواز زمین پر سنی۔

(vi) آپ ﷺ کی انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہوئے۔

(vii) آپ ﷺ کی زبان حق کی ترجمان تھی۔ آپ ﷺ جو فرما دیتے وہ باذن الٰہی ہو جاتا۔

(viii) آپ ﷺ کا قد مبارک درمیانہ تھا لیکن جن کے ساتھ چلتے نمایاں آپ ﷺ ہی نظر آتے۔

(ix) آپ ﷺ کے پسینے مبارک سے خوشبو آتی۔

(x) آپ ﷺ گفتگو فرماتے تو دانتوں سے نور نکلتا تھا۔

(xi) آپ ﷺ چلتے تو زمین آپ ﷺ کے لئے سمیٹ دی جاتی۔

(xii) آپ ﷺ کی انگلی کے اشارے سے چاند دو ٹکڑے اور ڈوبا سورج واپس پلٹا۔

(xiii) آپ ﷺ کے بول براز کو زمین نگل لیتی تھی۔

(xiv) آپ ﷺ سوتے تو آپ ﷺ کا دل جاگتا اور حالت نیند میں آپ ﷺ کا وضو قائم رہتا۔

(xv) آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا دیدار کروایا۔

آیئے اب اس کے سراپائے مقدس پر نظر ڈالیں۔

۱-سر اور بال مبارک:

آپ ﷺ کا سر بڑا لیکن نہایت ہی موزوں تھا اور خوشنما تھا۔ سر مبارک کے بال دراز نہ زیادہ گھنگھریالے اور نہ بالکل سیدھے، بالوں کی درازی کے متعلق تین مختلف روایات بیان کی جاتی ہیں (ا) کانوں کی لو تک (ب) کانوں کے نصف حصہ تک (ج) دونوں کندھوں کو اوپر سے چھوتے ہوئے۔

بالوں کی کیفیت مختلف حالتوں میں مختلف ہوتی جب کبھی تیل لگا کر کنگھی کرتے تو لمبے معلوم ہوتے اور جب تیل نہ لگاتے اور کنگھی نہ فرماتے تو چھوٹے لگتے تھے آپ ہمیشہ مانگ نکالتے تھے۔

نکتہ:

عام انسانوں اور آپ ﷺ کے مبارک بالوں میں فرق ہے اس لئے کہ کوئی انسان بطور تبرک اپنے بال یوں تقسیم کرنے کا متحمل نہیں ہو سکتا جس طرح آپ فرماتے۔ آپ کے موئے مبارک سے برکتیں حاصل کی گئیں۔ آپ کی زلفوں کو قرآن نے واللیل کہا کیا کوئی ایسا بشر ہے جس کے بالوں کی یہ شان ہو؟ ہرگز نہیں۔

۲-چہرہ اقدس:

آپ ﷺ کا چہرہ اقدس گول مائل بہ درازی رخساروں میں اعتدال چہرہ گوشت سے بھرا ہوا تھا اور نہ بالکل گول مول کیونکہ یہ دونوں باتیں معیار حسن کے خلاف ہیں۔ آپ کے رخسار مبارک تو ایسے صاف تھے اور اتنے ہموار کہ چودھویں رات کا چاند چمکتا ہوا دکھائی دیتا۔ اللہ پاک نے آپ کے رخ انور کو والضحیٰ فرمایا کیا کسی اور بشر کی یہ شان ہے؟

۳-روئے اطہر:

تاجدار انبیاء علیہ السلام کے روئے اطہر کی چمک دمک اور لطافت و ملاحت کی

بابت یوں کہنا مناسب ہے۔

قرن الملاحسة حسنه

والحسن صار قرینه

حسن نے خوبصورت کو اپنے ساتھ ملایا اور آپ ﷺ کا مصاحب بن گیا۔

۴۔رنگ مبارک:

حضور ﷺ کا رنگ مبارک سفید مائل بہ سرخی اور گندم گوں تھا۔ بعض کے مطابق سمرۃ سے مراد بھی حمرہ یعنی سرخی ہے۔

۵۔پیشانی مبارک:

آپ ﷺ کی پیشانی مبارک کشادہ اور نورانی تھی۔ ایسے لگتا تھا جیسے چاند کا ٹکڑا ہو۔

۶۔بھنویں مبارک:

حضور سرور کونین ﷺ کی بھنویں دراز اور کمان کی مانند خمدار تھیں جن کے بال گتھے اور آپس میں گھنے ہوئے تھے۔ بھنوؤں کا درمیان والا حصہ بالوں سے خالی تھا۔ البتہ اس جگہ ایسے باریک بال تھے کہ دیکھنے والوں کو بھنویں پیوستہ نظر آتی تھیں۔ ان کے درمیان ایک باریک سی رگ تھی جو جلال کے وقت متحرک ہو جاتی تھی۔

۷۔آنکھیں مبارک:

سرور انبیاء ﷺ کی آنکھیں بے حد حسین اور بڑی بڑی تھیں لیکن اتنی بڑی نہیں کہ باہر کو نکلی ہوئی ہوں یا اتنی چھوٹی کہ اندر کو دھنسی ہوئی معلوم ہوں۔ آنکھوں کا رنگ سفید تھا جس میں سرخ ڈورے تھے۔ اسے عربی میں اشکل العین کہتے ہیں۔ الغرض حضور ﷺ کی آنکھیں سیاہ سرگیں اور پلکیں دراز تھیں۔ سرمہ کے بغیر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سرمہ پہنے ہوئے ہوں۔ آپ ﷺ اندھیرے میں بھی اسی طرح دیکھتے جیسے روشنی میں۔ نیز پیچھے بھی اسی طرح دیکھتے جیسے آگے کی طرف۔

کسی نے کیا خوب کہا:

دراں حرف کاں باغ داشت
مگر چشم اوکحل مازاغ داشت

''باغ کونرگس کی زیبائی حاصل ہے لیکن ہمارے نبی کی آنکھوں میں مازاغ کا سرمہ تھا''۔

۸- ناک مبارک:

آپ ﷺ کی ناک مبارک خوبصورت، لمبی اور درمیان سے ابھری ہوئی تھی۔

۹- دہن مبارک:

آپ ﷺ کا دہن مبارک فراخ تھا۔

۱۰- دانت مبارک:

آپ ﷺ کے دانت مبارک صحیح وسالم اور سب کے سب روشن تھے۔ سامنے کے دانت کشادہ تھے جن سے وقت کلام نور جھلکتا تھا۔

۱۱- ہونٹ مبارک:

حضور ﷺ کے ہونٹ مبارک پتلے اور نرم تھے۔ چہرہ اقدس پر اکثر اوقات بشاشت وکشادگی کے آثار دکھائی دیتے۔

۱۲- ریش مبارک:

آپ ﷺ کی ریش مبارک گھنی اور بڑی تھی اور جس سے سینہ مبارک بھر جاتا تھا۔ آپ ﷺ ریش مبارک کو طول وعرض سے مٹھی بھر کٹواتے تھے۔

۱۳- مونچھیں مبارک:

آپ ﷺ کی مونچھوں کے بارے میں روایت ہے کہ جوں ہی لبوں سے

بڑھتیں تو آپ ﷺ انہیں کتروا لیتے تھے لیکن سبالہ نہیں کرتے تھے۔ نچلے ہونٹ کے نیچے کے بالوں کو منڈوانے یا نہ منڈوانے کے متعلق کوئی تصریح نہیں ملتی لیکن ظاہر یہ ہے کہ انہیں نہ منڈوانا چاہئے۔ گلے کے نیچے کے بالوں کی بھی یہی صورت تھی۔

۱۴-کان مبارک:

آپ ﷺ کے دونوں کان مبارک سالم اور مکمل تھے۔

۱۵-گردن مبارک:

آپ ﷺ کی گردن مبارک چمکدار معتدل صاف اور شفاف تھی جیسے ہرن کے بچے کی گردن۔

۱۶-سینہ مبارک:

آپ ﷺ کا سینہ مبارک چوڑا تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن جامی فرماتے ہیں:

زسر سینہ اش جامی الم نشرح لک برخواں

یعنی آپ ﷺ کے سینہ مبارک کی شان میں سورہ الم نشرح پڑھو۔

۱۷-شکم مبارک:

آپ ﷺ کا شکم مبارک سینہ کے برابر اور ہموار تھا۔ جب بیٹھتے تو پیٹ میں شکم پڑ جاتی۔ سینہ اقدس سے ناف تک بالوں کی ایک سیدھی لکیر تھی اس کے علاوہ پیٹ اور سینہ پر بال نہ تھے۔ بازو کندھوں اور پنڈلیوں کے بال لمبے اور سیاہ تھے لیکن بدن کی سفیدی پھر بھی جھلکتی تھی۔

۱۸-بغلیں مبارک:

آپ ﷺ کی بغلیں مبارک اور تمام جوڑ لطیف مطہر اور صاف وشفاف تھے۔

۱۹- پشت مبارک:

حضور تاجدار انبیاء ﷺ کی پشت مبارک بہت صاف شفاف اور روشن تھی جیسے پگھلی ہوئی چاندی۔

۲۰- مہر نبوت:

آپ ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان یعنی بائیں کندھے کی نرم ہڈی کے اوپر مہر نبوت تھی جو موٹے مردار ید یا کبوتر کے انڈے کے برابر تھی اس کا رنگ آپ ﷺ کے جسم اقدس کی طرح تھا اس میں اللہ وحدہ لاشریک لکھا ہوا تھا۔ ترمذی شریف میں ہے کہ اس میں چند بال بھی تھے۔

حضور ﷺ کے تمام جوڑوں کی ہڈیاں موٹی اور مضبوط تھیں۔ ہاتھ بازو پنڈلیاں اور ران گوشت سے بھری ہوئی اور نرم تھیں۔ آپ ﷺ ایسے خوش بدن تھے کہ ہاتھ لگانے والوں کو تسکین اور راحت محسوس ہوتی تھی۔ ہاتھوں کی ہتھیلیاں اور پاؤں نرم گوشت سے پر تھے۔ پاؤں کے تلوے ایسے روشن تھے جیسے عرش بریں پاؤں کے تلوے ہاتھ کی ہتھیلیوں کی طرح گوشت سے پر تھے ان میں تھوڑی سی جگہ خالی تھی جو چلتے وقت ظاہر ہوتی تھی۔ جب آپ قدم زمین پر رکھتے یا اوپر اٹھاتے تو وہ خالی جگہ چھپ جاتی تھی۔ زمین پر قدم مبارک مکمل طور پر چسپاں ہو جاتے تھے۔ ''صحیح القدمین'' میں آیا ہے کہ دونوں قدم صاف اور ہموار تھے ان میں کسی قسم کی شکستگی اور میل کچیل نہ تھی۔ ان پر پانی ڈلتا تو ٹھہرتا نہیں تھا۔ پاؤں مبارک کی تمام انگلیاں برابر تھیں۔ پنڈلیاں دوسرے اعضاء کی نسبت پتلی تھیں جن میں گوشت نسبتاً کم تھا۔

۲۱- قد مبارک:

آپ ﷺ کا قد مبارک درمیانہ تھا جو نہ چھوٹا تھا اور نہ بہت اونچا لیکن لمبے لمبے قد والے کے مقابلے میں بلند و بالا دکھائی دیتا تھا۔ جب کوئی طویل القامت آپ

ﷺ کے پاس بیٹھتا یا ساتھ چلتا تھا تو آپ اس سے اونچے نظر آتے۔ آپ چلتے تو زمین آپ کے لئے سمٹی جاتی تھی۔

عبدالحق محدث دہلوی نے چلنے کے دس طریقے بیان کئے ہیں ان میں سے ایک ہون ہے۔ آپ اس طریقے سے چلتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے سورہ فرقان میں اس طریقے سے چلنے کو اپنے بندوں کی علامت قرار دیا ہے۔

۲۲-سایہ مبارک:

بعض نے کہا کہ آپ کا سایہ تھا نوادرالاصول میں حکیم ترمذی نے اس سلسلے میں روایت فرمائی اور بعض کے نزدیک آپ ﷺ کا سایہ نہ تھا۔

۲۳-رفتار مبارک:

آپ ﷺ کی رفتار مبارک کا یہ انداز تھا کہ جب چلتے تو نہایت قوت و طاقت سے قدم اٹھاتے اور جب زمین پر قدم رکھتے تو معلوم ہوتا گویا آپ نیچے اتر رہے ہیں۔

۲۴-پسینہ مبارک:

آپ ﷺ کا پسینہ مبارک نہایت خوشبودار تھا۔ لوگ شادی بیاہ میں اسے لے جاتے اور اس کا ایک قطرہ تیل وغیرہ میں ملا کر استعمال کرتے اس کی خوشبو عطر اور کستوری سے بھی زیادہ دلکش تھی۔ آپ ﷺ جس گھر میں تشریف لے جاتے یا جس گلی کوچے سے گزرتے وہ جگہ دیر تک خوشبو سے مہکتی رہتی تھی۔

۲۵-فضلات مبارک:

آپ ﷺ کا پیشاب اور فضلا زمین نگل لیتی اور زمین خوشبو سے مہک جاتی تھی۔ آپ ﷺ کے مبارک سراپا کا نقشہ ایک عاشق نے یوں کھینچا ہے۔

میانہ قد، سبک رفتار، صورت نور کا پیکر بہت مضبوط

بے حد دلربا اور خوشنما اعضا نہ فربہ اور نہ دبلا جسم

دلکش نقرئی رنگت کشادہ سینہ' ہلکی پنڈلیاں'

پرگوشت دست پا بڑا سر' بال قدرے گھنگھریالے کان تک لمبے'

گھنی ریش مبارک' روئے زیبا' ماہ دو ہفتہ سیاہ

وسرمگیں آنکھیں' بڑی پلکیں' گھنے ابرو' تبسم زیر لب'

دندان اقدس گوہر یکتا' سفید و سرخ چہرہ'

نور سے معمور پیشانی

نگہ جس سے ہو آسودہ' وہ پیارا ناک و نقشہ

کشادہ پشت پر شانیں کے بیچ دائیں کو برابر نیم بیضہ کے' نشان مہر نبوت کا۔

میں نے اس پیکر بشریت و نرانیت کی بشریت کا پورا نقشہ بیان کر دیا اور آپ ﷺ کے تمام اعضائے مبارک کی شان سے آگاہی حاصل کی۔ کیا کوئی ہستی ایسی ہے جس کی شان آپ ﷺ کے قدموں کی شان کو بھی چھو سکے۔ بشریت کی رٹ لگانے والوں سے میں پوچھتا ہوں بتلائیں کہ آپ ﷺ کے سوا رب نے۔

کسی کے رخ زیبا کو والضحیٰ کہا؟

کسی کی سیاہ زلفوں کو والیل اذا سجی کہا؟

کسی کے ہاتھوں کو خود یداللہ کہا؟

کسی کے پھینکنے کے عمل کو ولکن اللہ رمیٰ کہا؟

کسی کی زبان کے قول کو وحی یوحی کہا؟

کسی سے فانک باعیننا کہا؟

کسی کو سر عرش اپنے پاس بلایا؟

کسی کو یاایھا المزمل، یٰسین اور طٰہٰ کہا؟

تو پھر تم کیونکر اس نبی کو اپنی مثل سمجھتے ہو۔

جس کے کان عرش پر بلال کے قدموں کی صدا سنتے ہیں

جس کی آنکھوں کو مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی کہتے ہیں

جس کے دل کی شان میں مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَارَاٰی آیا

جس کے در کی چوکھٹ پہ جبریل بار بار آتا تھا

جس کے دندان مبارک سے نور چمکتا تھا

جس کا پسینہ کائنات میں مہک بکھیرتا ہے

جس کے لعاب نے کھاری پانی میٹھا کر دیا تھا

جو زمین پر بیٹھے حوض کوثر کو دیکھتا تھا

جو زمین سے جنت کا پھل توڑ سکتا تھا

یہ سب باتیں پیش نظر رکھ کر فیصلہ کریں کہ یا وہ ہم جیسے بشر تھے؟

سونے کی اینٹ اور مٹی کی اینٹ دونوں کے لئے لفظ اینٹ استعمال ہوگا لیکن دونوں کی کیفیت و قیمت میں زمین آسمان کا فرق ہوگا۔ لفظ بشر میں تو آپ ﷺ بشروں میں شریک ہیں لیکن اپنی حقیقت کے اعتبار سے آپ ﷺ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو قرآن میں چوپائیوں کو بھی انسانوں کی مثل کہا ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا کیا کوئی انسان گدھے جیسا کہلائے گا ہرگز نہیں مثلاً صرف اس لیے ہیں کہ وہ بھی جان رکھتے ہیں اور انسان بھی جان رکھتا ہے مگر دونوں میں واضح فرق موجود ہے۔ آپ نے کفار سے یہ فرمایا کہ میں تمہاری مثل بشر ہوں لیکن اپنے صحابہ سے سوال فرمایا کہ تم میں سے میری مثل کون ہے۔ میں

اپنے رب کے ہاں رات گزارتا ہوں وہ مجھے کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی ہے لہٰذا آپ کی بشریت ہی پر نظر ٹھہرانا ابوجہل وابولہب کا طریقہ ہے اور آپ کی بشریت سے آگے نورانیت کو دیکھنا یہ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور اہل ایمان کا طریقہ ہے۔

ارباب نظر کو کوئی ایسا نہ ملے گا
انسان تو مل جائیں گے ان صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم جیسا نہ ملے گا
تاریخ ڈھونڈے گی اگر ثانی محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم
ثانی تو بڑی چیز ہے سایہ نہ ملے گا

شانِ ولادت حضرت عیسیٰ علیہ السلام

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَ هُزِّیْٓ اِلَیْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَیْكِ رُطَبًا جَنِیًّا ○ فَكُلِیْ وَاشْرَبِیْ وَ قَرِّیْ عَیْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَیِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِیْٓ اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْیَوْمَ اِنْسِیًّا ○ فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ؕ قَالُوْا یٰمَرْیَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَیْـًٔا فَرِیًّا ○ یٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِیًّا ○ فَاَشَارَتْ اِلَیْهِ ؕ قَالُوْا كَیْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِی الْمَهْدِ صَبِیًّا ○ قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ؕ اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا ○ وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا ○ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَتِیْ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا ○ وَ السَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَ یَوْمَ اَمُوْتُ وَ یَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا ○

آیات کے حوالہ جات

سورت کا نام	مریم
سورت کا نمبر	۱۹
آیت نمبر	۲۵ تا ۳۳

آیات کا ترجمہ

''اور کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلاؤ وہ تم پر تازہ پکی ہوئی کھجوریں گرادے گا۔ سو تم کھاؤ اور پیو اور (بیٹے نبی کو دیکھ کر) آنکھیں ٹھنڈی کرو، پھر اگر تم

کسی بھی آدمی کو دیکھو تو کہہ دینا کہ میں نے رحمان کے لئے روزے کی نذر مانی ہوئی ہے۔ پس میں کسی سے آج ہرگز گفتگو نہیں کروں گی۔ پھر وہ اس (نبی عیسیٰ علیہ السلام) کو اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس آ گئیں۔ وہ کہنے لگے: اے مریم تو بہت ہی عجیب چیز لائی ہے' اے ہارون کی بہن! نہ تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ ہی تیری ماں بدکردار تھی۔ تو مریم نے اس (عیسیٰ علیہ السلام) کی طرف اشارہ کیا' وہ کہنے لگے: ہم اس سے کس طرح بات کریں جو گہوارہ میں بچہ ہے۔ (بچہ خود) بول اٹھا: بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے اور میں جہاں کہیں بھی رہوں اس نے مجھے برکت والا بنایا ہے اور میں جب تک زندہ ہوں اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے اور اپنی والدہ کے ساتھ نیک سلوک کرنے والا (بنایا) اور اس نے مجھے سرکش اور بدبخت نہیں بنایا۔ اور مجھ پر سلام ہو میرے میلاد کے دن اور میری وفات کے دن اور جس دن میں زندہ اٹھایا جاؤں گا''۔

نکتہ بیانی

(۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے سبب جناب مریم کو کمزوری محسوس ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کھجور کے تنے کو ہلاؤ تم پر تازہ اور پکی ہوئی کھجوریں گریں گی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ۲۵ دسمبر موسم سرما میں پیدا ہوئے اور کھجوریں موسم گرما میں پکتی ہیں۔ رب کی قدرت تھی کہ اس نے حضرت مریم کے لئے تازہ پکی کھجوریں پیدا کر دیں۔ جو رب سرما میں درخت پر تازہ کھجوریں اگا سکتا ہے۔ وہ مریم کی جھولی میں گرا بھی سکتا تھا مگر ہلانے کا حکم دیا جس سے یہ نکتہ معلوم ہوتا ہے کہ محنت کرنا تمہارا کام ہے رزق دینا ہمارا۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے وقت ولادت عیسیٰ علیہ السلام حضرت مریم کو کھجوریں کھانے کا حکم دیا

اس سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ جب کسی عورت کے ہاں بچے کی ولادت ہو تو اسے کھجوریں کھلانا چاہئیں ضعف جاتا رہے گا۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور (بیٹے کو دیکھ کر) آنکھیں ٹھنڈی کر، بچے کو دیکھ کر ماں کی آنکھوں کو ٹھنڈک ملتی ہے اور بیٹا بھی نبی تو قرار عین اعلیٰ ہوگا۔ اس لئے ہم بھی جب اپنے نبی کا نام سنیں تو کہیں: قرةُ عيني بك يارسول الله ﷺ۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے الزام لگانے والوں کے الزام سے پہلے حضرت مریم کو ایک منطقی طریقہ بتادیا اور وہ تھا خاموشی کا روزہ۔ لہٰذا آپ نے قوم کے افراد سے کہہ دیا کہ میں نے رحمت کے لئے چپ کا روزہ رکھا ہوا ہے میں آج بھول کر بھی کلام نہیں کروں گی۔ اس سے معلوم ہوا جس بحث کا کوئی فائدہ اور نتیجہ نہ نکلتا ہو اس سے خاموش رہنا بہتر ہے۔

(۵) قوم نے حضرت مریم سے کہا کہ تو عجیب چیز لائی ہے یعنی جو ہمارے لئے باعث عار ہے قوم نے اسے ہارون کی بہن کے طور پر ندا کی جس کا مطلب یہ ہوا کہ بزرگ ہستی کی بہن ہو کر تو نے یہ کیا کیا؟ بزرگ آنے والی نسلوں کی پہچان ہوتے ہیں لہٰذا حضرت ہارون کا حوالہ دیا گیا۔ اس کے بعد قوم نے حضرت مریم کے والدین کے کردار کی صفائی پیش کی اور واضح کیا نیک لوگوں کی اولاد سے ایسے فعل کا واقع ہونا باعث عار ہے۔

(۶) حضرت مریم نے تمام تر گفتگو سننے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا تو قوم کے افراد کہنے لگے کہ ہم اس سے کلام کیسے کر سکتے ہیں جو ابھی گھوارے کا بچہ ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اذن الٰہی سے بول اٹھے۔ بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے نبی بنایا ہے اور مجھے کتاب دے دی ہے۔ میں جہاں کہیں بھی رہوں گا اس نے مجھے برکت والا بنایا ہے۔

(۷) معلوم ہوا کہ نبی کی سرشت میں توحید کا نور شامل ہوتا ہے اور وہ پیدا ہوتے

ہی اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھتا ہے۔ یہ بھی واضح ہوا کہ نبی پیدا ہوتے ہی نبی ہوتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ نہیں کہا کہ اللہ مجھے نبی بنائے گا۔ اسی طرح آپ علیہ السلام نے فرمایا: اس (اللہ) نے مجھے کتاب دی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ کتاب کس کس نبی پر نازل ہونی ہے۔ یہ فیصلہ پہلے سے طے ہو چکا ہے۔

(۸) عیسیٰ علیہ السلام نے قوم سے فرمایا کہ اللہ نے مجھے برکت والا بنایا ہے میں جہاں رہوں یعنی میرا وجود سراپا برکت ہے۔ معلوم ہوا کہ نبی کا وجود باعث برکت ہوتا ہے۔

(۹) قوم نے الزام تو آپ علیہ السلام کی والدہ پر لگایا لیکن آپ نے جواب میں یہ نہیں فرمایا کہ میری ماں پاکباز ہے اور اعلیٰ کردار کی مالک ہے اس نے کوئی جرم نہیں کیا بلکہ آپ نے تمام گفتگو اپنے بارے میں کی۔ اس کی وجہ روشن ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے نبوت کا اعلان کر کے واضح کر دیا کہ نبی بدکردار ماں کی اولاد نہیں ہوسکتا۔ نبی کی ماں اور اس کا باپ بدکردار نہیں ہوتے۔ اتنا عظیم بچہ جننے والی ماں میں بھلا کیسے عیب ہوسکتا ہے؟

(۱۰) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا ہوتے ہی عبدیت کا بھی علم تھا۔ اللہ کی الوہیت کا بھی علم تھا۔ اپنی نبوت کا بھی علم تھا اور اعمال شرعیہ نماز اور زکوٰۃ کا بھی علم تھا اور اس بات کا بھی علم تھا کہ میں باپ کے بغیر پیدا ہوا ہوں کیونکہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: اللہ نے مجھے اپنی والدہ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔ نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے اعلیٰ کردار کی بھی وضاحت کر دی کہ اللہ نے مجھے نافرمان اور بدبخت نہیں بنایا۔ انبیاء علیہم السلام کبھی بدبخت نہیں ہوا کرتے بلکہ وہ باعث برکت ہوتے ہیں۔

(۱۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھ پر سلام ہو میلاد کے دن، وفات کے دن اور اس دن پر جب میں زندہ اٹھایا جاؤں گا۔

نبی کی ولادت کا دن عام دن نہیں ہوتا۔ سلام میں میلاد کے یوم کا ذکر نہ بھی ہوتا تو جملہ مکمل تھا لیکن یوم میلاد کا ذکر کیا گیا تا کہ اس کی اہمیت واضح ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام پر بھی سلام بھیجتے ہوئے ان کے یوم ولادت کا ذکر کیا اس سے معلوم ہوتا

ہے کہ نبی کے میلاد کے دن خاص طور پر اہتمام کے ساتھ سلام پڑھا جائے اور میلاد کا ذکر کیا جائے بالخصوص ہمارے پیارے نبی اکرم ﷺ کی ولادت جس شان سے ہوئی ایسے کسی اور نبی کی ولادت نہ ہوئی۔آپ کی ولادت کے وقت ایک ایسا نور نکلا جس سے شام کے محلات نظر آئے اور ستارے زمین کے قریب آئے۔آپ ﷺ قاف بریدہ ختنہ شدہ اور پاک وصاف پیدا ہوئے۔آپ ﷺ نے بھی ولادت کے وقت توحید کی گواہی دی اور اللہ کی بارگاہ میں سجدہ کناں ہوئے۔لہٰذا آپ ﷺ کی ولادت بذات خود ایک معجزہ ہے اور نبی کے معجزے کا ذکر کرنا اللہ تعالیٰ کی سنت ہے۔

(۱۲) بعض نادان اور خارجی لوگ میلاد پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے وقت ولادت عیسیٰ علیہ السلام و یحییٰ علیہ السلام پر سلام بھیجا ہے تو وقت وفات کے ذکر کے ساتھ بھی سلام بھیجا ہے لہٰذا وفات کا دن بھی منانا چاہئے ان کا یہ سوال دین سے لاعلمی پر موقوف ہے اس لئے کہ حدیث میں ہے کہ سوگ تین دن ہوتا ہے، سوگ کی مدت کا تعین تو ہے مگر خوشی کے لئے تعین نہیں ہے دوسرے آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ ''میری زندگی بھی تمہارے لئے بہتر ہے اور میری وفات بھی تمہارے لئے بہتر ہے'' اور بہتر چیز پر سوگ نہیں منایا جاتا بلکہ خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے۔

(۱۳) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ مجھ پر سلام ہو جس دن میں زندہ اٹھایا جاؤں گا۔معلوم ہوا نبی اپنی قبر میں زندہ ہوتا ہے جیسا کہ احادیث بھی اس کی تائید کرتی ہیں کہ ''انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور وہ نماز پڑھتے ہیں''۔نیز فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے اجسام کو کھائے''۔

؎ تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ
میری چشم عالم سے چھپ جانے والے

رحمت مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ○

آیت کے حوالہ جات

سورت کا نام	الانبیاء
سورت کا نمبر	۲۱
آیت نمبر	۱۰۷

آیت کا ترجمہ

''اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر''

نکتہ بیانی

(۱) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں اور رحمت رقت قلب کے ساتھ کسی کی طرف مائل ہونے کو کہتے ہیں۔ رحمت وہاں تک ہوگی جہاں تک رحمت کی رسائی ہوگی۔ پس لازمی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسائی تمام جہانوں کے لئے ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بقدر حصہ ہر ایک کو اپنی رحمت کے ساتھ فیض یاب کرتے رہیں۔

(۲) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ ''میں وہ رحمت ہوں جو بطور تحفہ عطا کی گئی ہوں''۔ ایک اور مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے سراپا رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے''۔

(۳) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالم ارواح میں تھے تو تب بھی رحمت تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے بنی آدم سے سوال فرمایا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواباً عرض کی: کیوں نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جواب کی نقل کرتے ہوئے جمیع بنی آدم نے

یہی جواب دیا اس طرح بندوں سے اقرار توحید بھی آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی رحمت کا فیضان تھا۔

(۴) عالم دنیا میں آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نہ صرف مومنین کے لئے رحمت تھے بلکہ کفار کے لئے بھی رحمت تھے کیونکہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی وجہ سے کافروں کے عذاب کا مطالبہ کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل نہ کیا۔ عالم دنیا میں کثیر اشیاء آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی رحمت سے فیض یاب ہوئیں۔ یہاں تک کہ شجر و حجر بھی اس سے محروم نہ رہے۔

(۵) عالم برزخ کے لئے بھی آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم رحمت بنائے گئے۔ کسی نبی کا امتی مرے تو وہ نبی قبر میں نہیں آتا مثلاً یہودی مرے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام قبر میں نہیں آتے۔ عیسائی مرے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام قبر میں نہیں آتے مگر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم قبر میں بھی تشریف لاتے ہیں اور یوں امتی دیدار کر کے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی رحمت کا جلوہ کرتا ہے۔ جو کوئی مرے خواہ دہریا عیسائی یا یہودی ہو قبر میں آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کا جلوہ دکھایا جاتا ہے اور آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی پہچان کا سوال کیا جاتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی پہچان دراصل تمام انبیاء علیہم السلام کی پہچان ہے اور جو بھی صاحب ایمان ہوتا ہے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کو پہچان لیتا ہے۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ خصائص کبریٰ میں لکھتے ہیں کہ ایک آدمی ہر مہینے کی ۱۲ تاریخ کو میلاد مناتا جب وہ مر گیا فرشتوں نے سوالات کئے تو اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ جب فرشتے اسے سزا دینے لگے تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے فرشتوں سے فرمایا: ٹھہر جاؤ اور اس شخص سے فرمایا: تم مجھے نہیں جانتے، میں تمہیں جانتا ہوں''۔

(۶) عالم محشر میں تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی رحمت کا مشاہدہ جمیع خلق کرے گی۔ جب کیفیت اضطراب والم سے تنگ آ کر لوگ مختلف انبیاء علیہم السلام کی بارگاہ سے ہوتے ہوئے بالآخر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی بارگاہ تک پہنچیں گے اور آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم اس وقت فرمائیں گے: "انا لھا" اس کام کیلئے میں ہی ہوں''۔ یوں شفاعت کی صورت میں آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی رحمت کا عملی نظارہ ہوگا۔

ع فقط اتنا مقصد ہے انعقاد بزم محشر کا
کہ ان کی شان محبوبی دکھائی جانیوالی ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ○ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ○ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ○ قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ج وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا ○ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ○ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ○ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ○ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ○ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ○ قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ○ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْئَلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰٓى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ○ فَانْطَلَقَا ٭ حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا ط قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ج لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا اِمْرًا ○ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ○ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا ○ فَانْطَلَقَا ٭ حَتّٰٓى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ لا قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً م بِغَيْرِ نَفْسٍ ط لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُّكْرًا ○ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ○ قَالَ اِنْ

سَاَلْتُكَ عَنْ شَیْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِیْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّیْ عُذْرًا ○ فَانْطَلَقَا حَتّٰۤی اِذَاۤ اَتَیَاۤ اَهْلَ قَرْیَةِ ۨاسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ یُّضَیِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِیْهَا جِدَارًا یُّرِیْدُ اَنْ یَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَیْهِ اَجْرًا ○ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَیْنِیْ وَبَیْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِیْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَیْهِ صَبْرًا ○

آیات کے حوالہ جات:

سورت کا نام	الکہف
سورت کا نمبر	۱۸
آیت نمبر	۶۰ تا ۷۸

آیات کا ترجمہ

''اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے غلام سے کہا: میں نہیں ہٹ سکتا یہاں تک کہ میں دو دریاؤں کے سنگم کی جگہ تک پہنچ پاؤں یا مدتوں چلتا رہوں۔

سو جب وہ دونوں دریاؤں کے سنگم پر پہنچے تو وہ دونوں اپنی مچھلی بھول گئے۔

پس وہ (مچھلی) دریا میں سرنگ کی طرح اپنا راستہ بناتے ہوئے (نکل گئی)

پھر جب وہ دونوں آگے بڑھے تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے کہا: ہمارا کھانا ہمارے پاس لاؤ۔ بے شک ہم نے اپنے اس سفر میں بڑی مشقت کا سامنا کیا (خادم نے) کہا: کیا آپ نے دیکھا جب ہم نے پتھر کے پاس آرام کیا تھا تو میں مچھلی بھول گیا تھا اور مجھے کسی نے نہیں بھلایا۔ سوائے شیطان کے کہ میں آپ سے اس کا ذکر کروں اور اس (مچھلی) نے تو دریا میں عجیب طریقہ سے اپنا راستہ بنالیا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: یہی وہ مقام ہے ہم جسے تلاش کر رہے تھے۔ پس دونوں اپنے قدموں کے نشانات پر تلاش

کرتے ہوئے واپس پلٹ آئے تو دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پالیا جسے ہم نے اپنی بارگاہ سے رحمت عطا کی تھی اور ہم نے اسے اپنا علم لدنی (اسرار و رموز کا علم) سکھایا تھا۔ اس سے موسیٰ علیہ السلام نے کہا: کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں کہ آپ مجھے بھی اس علم میں سے کچھ سکھائیں گے جو آپ کو بغرض ارشاد سکھایا گیا ہے۔ اس (خضر علیہ السلام) نے کہا: بے شک آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکیں گے اور آپ اس پر کیسے صبر کر سکتے ہیں جسے آپ اپنے احاطہ علم میں نہیں لائے ہوں گے۔

موسیٰ علیہ السلام نے کہا: آپ ان شاء اللہ مجھے ضرور صابر پائیں گے اور میں آپ کی کسی بات کی خلاف ورزی نہیں کروں گا۔ (خضر علیہ السلام نے) کہا: پس اگر آپ میرے ساتھ رہیں تو مجھ سے کسی چیز کے بارے میں سوال نہ کریں۔ یہاں تک کہ میں خود آپ سے اس کا ذکر نہ کر دوں۔ پس دونوں چل دیئے یہاں تک کہ جب دونوں کشتی میں سوار ہوئے تو (خضر علیہ السلام نے) اس میں سوراخ کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: کیا آپ نے اس لئے پھاڑ ڈالا ہے کہ آپ کشتی والوں کو غرق کر دیں۔ بے شک آپ نے بڑا عجیب کام کیا ہے۔ (خضر علیہ السلام نے) کہا: میں نے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر ہرگز صبر نہیں کر سکیں گے؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: آپ میری بھول پر میری گرفت نہ کریں اور میرے معاملہ میں مجھے زیادہ مشکل میں مت ڈالیں۔ پھر وہ دونوں چل دیئے یہاں تک کہ ایک لڑکے سے ملے تو (خضر علیہ السلام) نے اسے قتل کر ڈالا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: کیا آپ نے ایک بے گناہ جان کو بغیر کسی جان کے قتل کر ڈالا۔ بے شک آپ نے بڑا ہی سخت کام کیا ہے۔ (خضر علیہ السلام نے) کہا: کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اگر میں اس کے بعد آپ سے کسی چیز کی

نسبت سوال کروں تو آپ مجھے ساتھ نہ رکھئے گا۔

بے شک میری طرف سے آپ حد عذر کو پہنچ گئے ہیں۔ پھر دونوں چل پڑے یہاں تک کہ جب دونوں ایک بستی والوں کے پاس آ پہنچے دونوں نے وہاں کے باشندوں سے کھانا طلب کیا تو انہوں نے ان دونوں کی میزبانی کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر دونوں نے وہاں دیوار پائی جو گرنا چاہتی تھی تو (خضر علیہ السلام نے) اسے سیدھا کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اگر آپ چاہتے تو اس پر مزدوری لے لیتے (خضر علیہ السلام نے) کہا: یہ میرے اور آپ کے درمیان جدائی ہے اب میں آپ کو ان باتوں کی حقیقت سے آگاہ کرتا ہوں جن پر آپ صبر نہ کر سکے۔

نکتہ بیانی

(۱) آیا حضرت خضر علیہ السلام نبی ہیں یا ولی یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے لیکن ایک بات جو ان کے غیر نبی ہونے پر دلالت کرتی ہے وہ ہے ان کا روپوش ہونا نبی انسانوں کی طرف پیغام حق لاتا ہے، انہیں تبلیغ کرتا ہے اور انہیں دین سکھاتا ہے اور یہ تب ممکن ہے جب وہ لوگوں میں مل جل کر زندگی گزارے لہٰذا اس نکتہ نظر سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی ہوتے تو لوگوں میں مل جل کر رہے اور انہیں احکام الٰہی سکھاتے اس لئے یہی نظریہ درست نظر آتا ہے اب یہ سوال انگڑائی لیتا ہے کہ کیا نبی سے ولی کا علم زیادہ ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کے پاس علم لدنی تھا جو رب کی طرف سے عطا کیا گیا تھا انہوں نے جو کچھ کیا وہ رب کے عطا کردہ خاص علم کے تحت کیا اور ممکن ہے یہ جزوی علمی فضیلت ہو کلی فضیلت نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

(۲) اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام خاموش رہتے تو عرصہ رفاقت طویل ہو جاتا اور آپ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کی صحبت سے زیادہ قوم کی اصلاح کا جو کام کرنا تھا وہ ضروری تھا اس لئے حضرت خضر علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ آپ کی قوم کو آپ کی زیادہ ضرورت

ہے۔

(۳) حضرت خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہ کر سکیں گے۔ یہ پہلے ہی کہہ دینا اس بات کی تائید ہے کہ اہل اللہ روحانی طور پر دل کا حال بھی جان لیتے ہیں۔

(۴) جب خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور اللہ کی چاہت اسی میں تھی کہ آپ علم لدنی کا مشاہدہ کر کے واپس اپنی قوم کی طرف جائیں سو ایسا ہی ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام کے کسی عمل پر صبر نہ کر سکے۔

(۶) حضرت خضر علیہ السلام کے قریب میں آ کر مچھلی زندہ ہو گئی یہ اس بات کی علامت ہے کہ اللہ والوں کے قریب ہونے سے روحانی حیات ملتی ہے۔

(۷) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کی تلاش میں طویل سفر کیا جس سے ثابت ہوا کہ اللہ کے برگزیدہ بندوں کی طرف سالک بن کر سفر کرنا سنت نبوی ہے۔

(۸) حضرت یوشع بن نون نے کہا کہ ہمیں شیطان نے بھلایا اس سے اس بات کا علم ہوتا ہے کہ جب انسان اللہ والوں کی طرف گامزن ہوتا ہے تو انسان کا یہ عمل شیطان کو بالکل نہیں بھاتا۔

(۹) حضرت خضر علیہ السلام دو دریاؤں کے سنگم کے پاس ملے۔ آپ علیہ السلام کا پانی کے پاس رہنا اور دریاؤں سے لگاؤں رکھنا شاید اس وجہ سے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا عرش پہلے پانی پر تھا۔

(۱۰) حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی میں سوراخ کر دیا مگر وہ ڈوبی نہیں۔ یہ اللہ والوں کی کرامت ہے اور ایسا آپ نے اس لئے کیا کہ ظالم بادشاہ صحیح سلامت کشتی کو چھین لیتا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دوسروں کے مال کی حفاظت کے لئے اوران کے ذرائع رزق کو بحال رکھنے کا جذبہ ہونا اللہ کے بندوں کی نشانی ہے۔

(۱۱) خضر علیہ السلام نے ایک بچے کو بظاہر کسی جرم کے قتل کر دیا لیکن بعد میں اس کی وجہ بھی بتا دی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ والے دوسروں کے انجام سے بھی بعطائے الٰہی واقف ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کے لئے لمحہ فکر یہ ہے جو کہتے ہیں کہ نبی کو اپنے انجام کا بھی علم نہیں۔

(۱۲) حضرت خضر علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام ایک گاؤں والوں کے پاس گئے اور انہوں نے کھانا دینے سے انکار کر دیا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اس دیوار کو سیدھا کیا جو گرنے کے قریب تھی تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ اس کام پر چاہتے تو اجرت لے لیتے لیکن خضر علیہ السلام نے اس کی وجہ بیان کی کہ اس دیوار کے نیچے یتیموں کا خزانہ ہے۔ اس سے دو سبق حاصل ہوئے۔ ایک تو یہ کہ عزیز و اقارب کا خواہ جیسا بھی سلوک ہو ان کے بھی یتیم بچوں پر شفقت کرنی چاہئے اور ان کو سہارا دینا چاہئے۔ دوسرے یہ معلوم ہوا کہ اللہ کے بندے اولیاء پوشیدہ حقیقتوں کو بھی جانتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ لوگ برا سلوک کریں تب بھی انسان کو چاہئے کہ وہ اچھا سلوک کرے۔

(۱۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام دونوں اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں اور ان میں فراق و جدائی اور علمی اختلاف ہوا جبکہ دونوں اپنی جگہ درست تھے جس سے یہ درس ملتا ہے کہ اللہ کے دو نیک بندوں میں علمی اختلاف ہو سکتا ہے اور یہ کوئی گناہ نہیں۔

(۱۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام بات کی تہہ تک پہنچنا چاہتے تھے اور یہ کوئی معیوب بات نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کا پہلا اعتراض جو انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام سے کیا وہ نسیان کی وجہ سے کیا۔ جبکہ دوسرا شرط کی بنا پر اور تیسرا قصداً۔

(۱۵) اس میں سالک کے لئے بھی سبق ہے کہ وہ اپنے رہبر و مرشد سے فیض یاب ہونا چاہتا ہے تو اسی چاہئے صبر سے یہ سفر طے کرے اور اپنے مرشد کے بارے میں حسن ظن رکھے اور اگر کوئی قابل اعتراض چیز دیکھے تو بدگمانی اور اعتراض نہ کرے بشرطیکہ وہ کام شریعت کے قوانین کے خلاف نہ ہو۔

(۱۶) اللہ تعالیٰ نے خضر علیہ السلام کو اپنا بندہ قرار دیا اور فرمایا جسے ہم نے اپنی بارگاہ سے رحمت عطا کی تھی۔ تو جو صرف اللہ کا بندہ ہی نہیں محبوب بھی اور رحمت نہیں بلکہ رحمت اللعالمین ہے اس کے علوم کا عالم کیا ہوگا۔

ومن علومك علم اللوح والقلم

''لوح وقلم کا علم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کا ایک جز ہے''۔

ولی کی کرامت

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قال یایها الملوا ایکم یاتینی بعر شها قبل ان یاتونی مسلمین

قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ۝ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ۝ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۣ لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ۭ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ۝

آیات کے حوالہ جات

سورت کا نام	النمل
سورت کا نمبر	۲۷
آیت نمبر	۳۸ تا ۴۰

آیات کا ترجمہ

''سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: اے درباریو تم میں کون ہے کہ وہ اس کا تخت میرے پاس لے آئے قبل اس کے کہ وہ مطیع ہو کر میرے پاس حاضر ہوں۔ ایک بڑا خبیث جن بولا کہ میں وہ تخت حضور میں حاضر کر دوں گا

اس سے پہلے کہ آپ اجلاس برخاست کریں اور میں بے شک اس پر قوت والا امانتدار ہوں۔ اس نے عرض کی: جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں اسے حضور میں پل جھپکنے سے پہلے حاضر کروں گا پھر جب (سلیمان علیہ السلام نے) تخت کو اپنے پاس رکھا دیکھا تو کہا یہ میرے رب کے فضل سے ہے تاکہ مجھے آزمانے میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری اور جو شکر کرے وہ اپنے بھلے کو شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو میرا رب بے پرواہ ہے سب خوبیوں والا''۔

نکتہ بیانی

(۱) حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے درباریوں سے سوال کیا جس کا مطلب ہے کہ غیر اللہ سے مطلقاً سوال کرنا جائز ہے نہ ہی یہ شرک ہے اور نہ ہی بدعت ہے لیکن اعتقاد یہی ہونا چاہئے کہ حقیقی فعال اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اس کے امر کے بغیر کوئی وسیلہ کام نہیں آ سکتا۔

(۲) حضرت سلیمان علیہ السلام سے ایک بڑے خبیث جن نے کہا کہ میں آپ کی مجلس ختم ہونے سے پہلے تخت لے آؤں گا اور اس معاملے میں' میں طاقتور اور امین ہوں۔ ثابت ہوتا ہے کہ خبیث لوگ بھی انبیاء علیہم السلام کے دینی مشن میں پیش پیش ہوتے ہیں جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں منافقین آ موجود ہوتے اور خدمت دین بھی بظاہر بجا لاتے اور ایمان والوں سے ملتے تو کہتے ہم ایمان لائے ہیں لیکن جب اپنے خبیثوں کے پاس جاتے تو کہتے ہم تمہارے ساتھ ہیں۔

(۳) خبیث جن نے نبی کے مجلس کے خاتمے پر نظر رکھی اس لئے جو نبی کی محفل کو ختم کرنا چاہیے وہی تو ہے خبیث۔

(۴) عفریت نے سلیمان علیہ السلام کے سامنے اپنی طاقت اور دیانتداری کی بات کی

اور جو نبی کے سامنے اپنی طاقت دکھائے اور اپنی ہی تعریف میں مگن رہے کیا یہ خباثت نہیں تو اور کیا ہے؟

(۵) چونکہ سلیمان علیہ السلام تخت کو جلدی وصول کرنا چاہتے تھے آپ کے کہے بغیر وہ شخص یعنی ولی اللہ آصف بن برخیہ عرض گزار ہوئے کہ حضور میں آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے تخت کو آپ کے سامنے حاضر کر دونگا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ پلک جھپکنے کی دیر میں تخت زمین کے راستے نکل آیا۔

(۶) حضرت آصف بن برخیہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کتاب کا علم تھا۔ کونسی کتاب کا؟ یہ نہیں بتایا گیا بعض نے کہا کہ ان کے پاس زبور یا تورات کا علم تھا۔ بعض نے کہا کہ اسم اعظم تھا۔ بہر حال جس کے پاس کتاب کا علم ہو اس کی اتنی طاقت روحانی کہ تخت کا پتہ پوچھے بغیر پلک جھپکنے کی دیر میں تخت کو حاضر کرایا تو جس کا سارا دل ہی قرآن ہو اس کی طاقت کا عالم کیا ہوگا۔ سلیمان علیہ السلام کے امتی ولی کی یہ شان ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے اولیاء کا درجہ کیا ہوگا؟

(۷) یاد رہے کہ یہ روحانی طاقت تھی اور وہ مدد مافوق الاسباب تھی نہ تو آصف بن برخیہ نے حرکت کی اور نہ ہی کئی سو میل فاصلے پر موجود تخت لینے کے لئے چلے خود نبی کی محفل میں رہے۔ سلیمان علیہ السلام کے چہرے کو تکتے رہے اور امر کن کے فیض سے تخت کو حاضر کر دیا۔ جسم کا تخت لانے میں کوئی کردار نہیں تھا بلکہ ان کی روحانیت کا کمال تھا جو اللہ نے انہیں عطا کی اس سے ثابت ہوا کہ روحانی مدد جائز ہے اور روحیں باذن الٰہی مصیبت زدہ کے کام آ سکتی ہیں کیونکہ جسم کو موت آتی ہے روح کو نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے کہیں نہیں فرمایا:

کل روح ذائقة الموت۔

(۸) حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب تخت کو سامنے دیکھا تو کہا یہ میرے رب کا

فضل ہے یعنی مجھ پر اللہ کا فضل ہے کہ اس نے میرے امتیوں میں ولی پیدا فرمائے جنہیں اتنی طاقت بخشی ساتھ ہی فرمانے لگے کہ یہ میری آزمائش ہے کہ آیا میں اس نعمت اور فضل پر شکر ادا کرتا ہوں یا نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ اللہ کے اولیاء اللہ کا فضل ہوتے ہیں لہذا ان کے وجود کو نعمت سمجھتے ہوئے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے اور عرس اسی لئے ہوتا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام اور چیونٹی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حَتّٰی اِذَآ اَتَوْا عَلٰی وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ یّٰاَیُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ لَا یَحْطِمَنَّكُمْ سُلَیْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ۝ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا

آیت کے حوالہ جات

سورت کا نام	النمل
سورت کا نمبر	۲۷
آیت نمبر	۱۸

آیت کا ترجمہ

”یہاں تک کہ جب (حضرت سلیمان اور آپ کا لشکر) چیونٹیوں کے نالے پر آئے۔ ایک چیونٹی بولی: اے چیونٹیو اپنے گھروں میں چلی جاؤ تمہیں کچل نہ ڈالیں۔ سلیمان اور ان کا لشکر بے خبری میں، تو اس (چیونٹی) کی بات سے (سلیمان علیہ السلام) مسکرا کر ہنسے“۔

نکتہ بیانی

(۱) چیونٹیاں آپس میں بولتی بھی ہیں اور آپس کی بولی کی سمجھ بھی رکھتی ہیں۔

(۲) تین میل کے فاصلے سے چیونٹیوں کی ملکہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام اور آپ کے لشکر کو دیکھ لیا حالانکہ ہم اتنے فاصلے سے انسان کو نہیں پہچان سکتے۔ اللہ ہی کو معلوم کہ یہ پیغمبر کے چہرے کا کمال تھا یا چیونٹی کی آنکھوں کا کمال تعجب کی بات تو یہ ہے کہ چیونٹی کو

حضرت سلیمان علیہ السلام کا نام کیسے آ گیا؟ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی پہچان مخلوق خدا میں ودیعت کر دی گئی ہے۔

(۴) چیونٹیوں کی ملکہ نے چیونٹیوں سے کہا کہ کہیں بے خبری میں وہ لشکر کے نیچے کچلی نہ جائیں یعنی چیونٹی کا عقیدہ تھا کہ نبی اور اس کے اصحاب ظالم نہیں کہ ہمیں جان بوجھ کر کچل ڈالیں یہ چیونٹی کا نبی و اصحاب نبی کے بارے میں حسن ظن تھا۔ انبیاء علیہم السلام اور ان کے اصحاب کے بارے میں بدگمانی حرام ہے۔

(۵) ملکہ نے اپنے گرد و پیش پر نظر رکھی ہوئی تھی۔ اس سے یہ نکتہ معلوم ہوتا ہے کہ اچھا قائد اور لیڈر وہ ہے جو حالات سے آگاہی رکھے اور بجائے مشکل میں ڈالنے کے قوم کو مشکلات سے نکالے اور یہ تب ہوگا جب وہ اعلیٰ فکری مزاج رکھتا ہو۔

(۶) چیونٹیوں کو قصداً مارنا جرم ہے۔ ہاں البتہ غیر ارادی طور پر ایسا واقع ہو جائے تو یہ ایک عذر ہے۔

(۷) جان کی حفاظت کرنا اور دوسروں کی جان بچانا فرض ہے۔

(۸) حضرت سلیمان علیہ السلام نے اتنے فاصلے سے چیونٹی کی آواز بھی سن لی اور اس کی بولی بھی سمجھ لی۔ معلوم ہوا انبیاء علیہم السلام مخلوق کی بولیاں سمجھتے ہیں جیسا کہ کئی واقعات ہیں جن میں حضور اکرم سے اونٹوں، ہرنیوں، پرندوں نے باتیں کیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی بولیاں سمجھیں۔

(۹) اس دور جدید میں بھی کوئی ایسا آلہ ایجاد نہیں ہوا جو چیونٹی کی آواز سنا سکے لیکن انبیاء علیہم السلام کی کیا کمال صفات ہیں کہ وہ سن بھی لیتے ہیں، دیکھ بھی لیتے ہیں۔

(۱۰) چیونٹی نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا نام لیا تو آپ اس کی طرف مائل ہوئے تو یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہنے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امتی کی طرف کیونکر مائل نہیں ہو سکتے؟

(۱۱) چیونٹیوں نے اپنی ملکہ کی بات پر عمل کیا اور اپنے بلوں میں چلی گئیں۔ اس سے اطاعت امیر کا سبق ملتا ہے۔ نیز قائد کا کنوں سے جو کہے وہ اس پر اعتماد کریں تو

جماعتی و تنظیمی اتحاد و اتفاق پیدا ہوتا ہے وگرنہ انتشار کا ماحول پیدا ہو سکتا ہے۔

(۱۲) چیونٹی ایک معمولی مخلوق ہے مگر اللہ نے اس کو کتنا شعور اور بصارت کا کمال عطا کیا ہے۔ انبیاء علیہم السلام جو سب سے اعلیٰ مخلوق ہیں ان میں ان صفات کا ظہور کس درجہ اعلیٰ ہوگا اور اگر جس چیونٹی کو اللہ نے ملکہ بنایا ہے اس کے لئے فاصلے سمٹ سکتے ہیں تو جس ذات کو اللہ نے دو جہاں کا مالک بنایا ہے یعنی تاجدار انبیاء علیہم السلام ان کے لئے فاصلے کیوں نہیں سمٹ سکتے اور وہ اپنی امتی کا سلام کیسے نہیں سن سکتے ؟

(۱۳) چیونٹی نے حسن ظن اور محبت کے ساتھ سلیمان علیہ السلام کا نام لیا تو آپ کے چہرے پر مسرت کی بنا پر مسکراہٹ آ گئی۔ اگر امتی محبت سے اپنے نبی کا نام لے تو پھر اس رخ تاباں پر خوشی کے آثار کیسے نمودار نہیں ہوں گے؟

(۱۴) چیونٹیوں کی ملکہ نے کہا اپنے گھروں میں داخل ہو جاؤ جس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے کئی گھر تھے اور یہ مشاہدے کی بات ہے کہ چیونٹیاں خوراک کی تلاش میں دور تک لمبی لائن بناتی اور بعض اوقات گروہوں کی شکل میں دور نکل جاتی ہیں لیکن ملکہ نے غائب اور دور کی چیونٹیوں کے لئے ''یا'' کا لفظ استعمال کیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ غائب کے لئے بھی لفظ ''یا'' کے ساتھ ندا کی جا سکتی ہے اور امتی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہہ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف مخاطب تو شرک نہیں، چیونٹیاں تو شرک نہیں کرتیں؟

حضرت سلیمان علیہ السلام کا ہُد ہُد

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَالِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ○ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا اَوْ لَاَذْبَحَنَّهٗٓ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ○ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَ جِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۢ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ○ اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَ اُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ○ وَجَدْتُّهَا وَ قَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ○

آیات کے حوالہ جات

سورت کا نام	النمل
سورت کا نمبر	۲۷
آیت نمبر	۲۰ تا ۲۴

آیات کا ترجمہ

”اور (سلیمان) نے پرندوں کا جائزہ لیا تو کہنے لگے میرے لئے (کیسا معاملہ) ہوا ہے کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھ پا رہا یا وہ غائب ہو گیا ہے (مجلس سے) میں اسے (اجازت لئے بغیر غائب ہونے پر) ضرور سخت سزا دونگا یا اسے ضرور ذبح کر ڈالوں گا یا وہ میرے پاس (اپنے عذر) کی واضح دلیل لائے۔ پس وہ تھوڑی ہی دیر ٹھہرا تھا۔ اس نے عرض کی مجھے ایک ایسی بات

معلوم ہوئی جس کا آپ نے احاطہ نہیں کیا اور میں آپ کے پاس سبا سے ایک یقینی خبر لایا ہوں۔

میں نے (وہاں) ایک ایسی عورت کو پایا ہے جو ان (لوگوں) پر حکومت کرتی ہے اور اسے ہر ایک چیز بخشی گئی ہے اور اس کے پاس عظیم عرش ہے، میں نے اسے اور اس کی قوم کو اللہ کی بجائے سورج کو سجدہ کرتے پایا ہے اور شیطان نے ان کے اعمال ان کے لئے خوب خوشنما بنا دیئے ہیں اور انہیں راہ (ہدایت) سے روک دیا ہے۔ پس وہ ہدایت نہیں پاتے"۔

نکتہ بیانی

(۱) حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کے غیر موجود ہونے کے سبب اس کے لئے سزا کا اعلان کیا۔ سزا دینا ہی تھی تو سب حاضر مخلوق کے سامنے کیوں اعلان کیا۔ اعلان کا مقصد یہ تھا کہ دوسروں کو عبرت حاصل ہو اور وہ اپنی ذمہ داری میں کوتاہی نہ کریں۔

نیز یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ محکمے کا سربراہ غیر ذمہ دارانہ کردار پر اپنے ملازمین کے لئے سزا کا تعین کر سکتا ہے۔

(۲) ہدہد نے سفر کے لئے حضرت سلیمان علیہ السلام سے اجازت نہیں لی تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اسے ذبح کر دوں گا۔ اگر ایک پرندہ نبی کی بات نہ مانے اور نافرمانی کرے اس کی سزا قتل ہے تو جو نبی کی شان میں گستاخی کرے اس کی سزا موت کیوں نہیں ہو سکتی؟ تحفظ ناموس رسالت کے آئین کی اس واقعہ سے بھی تائید ہوتی ہے۔

(۳) حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ اگر وہ واضح دلیل پیش کرے کہ وہ غیر حاضر کیوں ہوا یعنی معقول عذر ہو تو معاف کر دینا چاہیئے۔

(۴) حضرت سلیمان علیہ السلام پرندوں، چرندوں وغیرہ کی بولیاں جانتے تھے لیکن محبوب خدا مردہ چیز کی گفتگو سمجھ گئے اور مردہ چیز کی بولی سمجھنا زندہ چیز کی بولی سمجھنے سے بڑا معجزہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لکڑی کے خشک تنے نے گفتگو بھی کی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہجر

میں رویا بھی۔

(۵) ہد ہد نے شام سے سبا تک کا سفر تیزی سے کیا اور بارگاہ نبوت میں عرض گزار ہوا کہ میں نے اس چیز کا احاطہ کیا ہے جس کا احاطہ آپ نے نہیں فرمایا۔ میں نے سبا میں ایک ایسی عورت دیکھی ہے جو حکمرانی کرتی ہے۔ ہد ہد نے عورت کی حکومت پر تعجب کیا لیکن وہ لوگ جو عورت کی حکمرانی جائز سمجھتے ہیں انہیں ایک چھوٹے سے پرندے کے شعور جیسا بھی شعور نہیں ہے انہیں غور کرنا چاہیے۔

(۶) ہد ہد نے کہا کہ اس عورت کو ہر چیز بخشی گئی ہے۔ یہ عقیدہ واضح ہوا کہ حکمرانی اللہ کی مشیت اور امر سے ملتی ہے اور جیسی قوم ہوتی ہے ویسے ہی اس کے حکمران ہوتے ہیں۔

(۷) ہد ہد نے کہا کہ اس کے پاس عرش عظیم ہے۔ ہد ہد جیسے پرندے کو بھی حقیقت ومجاز کا علم ہے حالانکہ اللہ کا عرش عظیم ہے مگر توحید پرست پرندے نے بلقیس کے عرش کو عرش عظیم کہا۔ ہد ہد کو شعور تھا کہ اللہ کے عرش میں اور اس عرش میں کوئی مطابقت نہیں۔ ذرہ ذرہ سی بات پر شرک کے فتوے لگانے والے اس توحید پرست پرندے سے ہی سبق سیکھ لیں۔

(۷) بارگاہ نبوت کے پرندے کو اللہ تعالیٰ نے کیا کشف عطا کیا کہ اس نے ملک کا نام بھی بتایا۔ تخت کی پہچان بھی کی۔ عورت کی جنس کو بھی پہچان لیا اور بلقیس کی قوم کے عقیدہ کو بھی جان لیا اور کہا کہ وہ لوگ سورج کو سجدہ کرتے ہیں۔ غور کیجئے کہ اگر ہم کہیں سے گزریں اور کوئی شخص سجدے میں پڑا ہو۔ سامنے درخت بھی ہوں پہاڑ بھی اور اوپر سورج بھی چمک رہا ہو تو ہمیں کیا معلوم کہ وہ کس چیز کو سجدہ کر رہا ہے؟ مگر ہد ہد نے ان لوگوں کے سجدے اور نیت کو بھی جان لیا۔ اگر نبی کے پرندے کا یہ مقام ہے تو نبی اپنی امت کے ارادوں اور نیتوں سے کیسے آگاہ نہیں ہوسکتے۔

(۸) ہد ہد نے یہ بھی بتایا کہ ان لوگوں کو شیطان نے ہدایت سے روک رکھا ہے اور ان کے برے اعمال ان کے لئے مزین کر دیئے ہیں۔

اجسام انبیاء علیہم السلام زمین نہیں کھاتی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖۤ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ۝

آیت کے حوالہ جات

سورت کا نام	سبا
سورت کا نمبر	۳۴
آیت نمبر	۱۴

آیت کا ترجمہ

’’پھر جب ہم نے سلیمان پر موت کا حکم صادر فرمایا تو ان (جنوں) کو ان کی موت پر کسی نے آگاہی نہ کی سوائے زمین کی دیمک کے جو ان (سلیمان علیہ السلام) کے عصا کو کھاتی رہی پھر جب آپ کا جسم زمین پر گیا تو جنات پر ظاہر ہو گیا کہ اگر وہ غیب جانتے تو اس ذلت آمیز عذاب میں نہ پڑے رہتے‘‘۔

نکتہ بیانی

(۱) حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی زیر نگرانی جنات سے مسجد اقصیٰ تعمیر کروا رہے تھے۔ اسی ثناء میں آپ کی موت واقع ہوگئی۔ آپ لاٹھی کے سہارے روح پرواز کرنے کے بعد بھی کھڑے ہی رہے اور جنات آپ کے خوف سے تعمیر کے عمل میں مصروف رہے یقیناً جنات آپ علیہ السلام کی طرف دیکھتے بھی ہوں گے لیکن روح نکلنے کے بعد بھی آپ کا جسم

ایک زندہ جسم کی مانند تروتازہ رہا اور دیکھنے سے موت کے آثار ظاہراً نظر نہیں آ رہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جنات آپ کی روح نکل جانے کے بعد بھی آپ کو زندہ گمان کرتے رہے حتیٰ کہ جس لاٹھی کے سہارے آپ کھڑے تھے اسے جب دیمک نے کھایا اور آپ کا جسم مبارک نیچے کو ہولیا تو تب جنات کو آپ کی موت کا علم ہوا۔ جانے دیمک نے لاٹھی کو کھانے میں کتنے دن لگائے ہوں گے لیکن آپ کا جسم مبارک بوسیدہ نہیں ہوا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اجسام کو کیڑے نہیں کھاتے اور نہ ہی عام مردوں کی طرح ان کا جسم بوسیدہ ہوتا ہے اور نہ ہی مٹی ان کے بدن کو کھا سکتی ہے۔

(۲) جنات نے جب اس منظر کو دیکھا تو کہنے لگے کہ اگر وہ غیب کو جانتے تو اس ذلت آمیز عذاب میں مبتلا نہ ہوتے اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ جنات خبیث تھے اور خوف کی وجہ سے مسجد کی تعمیر کر رہے تھے۔ ایسا بھی ہوتا ہے بعض مجبوریوں کی وجہ سے خبیث اور ابلیس صفت لوگ بھی نبی کی اطاعت کرتے ہیں۔ اگرچہ وہ نبی کے ساتھ مخلص نہیں ہوتے جیسے منافقین اپنی مجبوریوں کی بناء پر نیک کام کرتے تھے اور ان کے دل میں محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں تھی۔

(۳) اللہ تعالیٰ قادر ہے اور اگر وہ کسی پر غیب کو مطلع کر دے تو اس کی توحید میں کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن عام مخلوق پر غیب کو عیاں نہ کرنے میں کئی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ ہر شخص کو موت آنی ہے لیکن اگر ہر انسان کو موت کا دن سال اور تاریخ بتا دی جائے تو وہ پرسکون زندگی نہیں گزار سکے گا۔ کسی کو غیبی طور پر پتہ چل جائے کہ جس گاڑی میں، میں سوار ہو رہا ہوں یہ تو دریا میں جا گرے گی تو نہ وہ خود سوار ہوگا اور نہ ہی دوسرے لوگوں کو سوار ہونے دے گا۔ یوں نظام زندگی درہم برہم ہو جائے گا۔ تاہم اللہ نے انبیاء علیہم السلام کو جتنا چاہا غیب عطا کیا جو کہ قرآن سے ثابت ہے۔☆
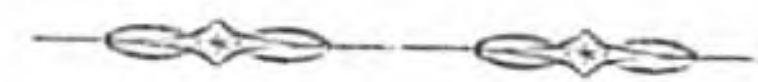
خوابِ خلیل علیہ السلام

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعۡیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیۡۤ اَرٰی فِی الۡمَنَامِ اَنِّیۡۤ اَذۡبَحُکَ فَانۡظُرۡ مَاذَا تَرٰی ؕ قَالَ یٰۤاَبَتِ افۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُ ۫ سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیۡنَ ○

آیت کے حوالہ جات

سورت کا نام	الصافات
سورت کا نمبر	۳۷
آیت نمبر	۱۰۲

آیت کا ترجمہ

''پھر جب وہ (اسماعیل علیہ السلام) ان کے ساتھ دوڑ کر چل سکنے (کی عمر) کو پہنچے تو (ابراہیم علیہ السلام نے) فرمایا: اے میرے بیٹے! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں سو غور کرو کہ تمہاری کیا رائے ہے۔
(اسماعیل نے) کہا: ابا جان! وہ کام کر ڈالئے جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے۔
اگر اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے''۔

نکتہ بیانی

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں صالح اولاد کے لئے دعائیں کی کہ بالآخر اللہ تعالیٰ نے اپنی جناب سے بزرگی میں ان کو نیک فرزند عطا فرمایا جیسے آپ کے لئے برسوں اولاد کا نہ ہونا آزمائش تھی اب اس سے بھی بڑی آزمائش کا سامنا

کرنا پڑا۔آپ نے خواب دیکھا جس میں آپ اپنے لختِ جگر کو جواب چلنے پھرنے کی عمر کو پہنچ چکا تھا اور باپ کا سہارا بنتا تھا' ذبح کرتے ہوئے دیکھا نبی کا خواب سچائی پر مبنی اور وحی کے قائم مقام ہوتا ہے کیونکہ شیطان کبھی بھی نبی کے خواب میں نہیں آ سکتا۔ یہ ذبح کرنے کی آزمائش بہت بڑی آزمائش تھی۔

(۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام کو گو کہ خواب میں فرزند کو ذبح کرنے کا حکم مل چکا تھا تو آپ نے اس کے باوجود اپنے بیٹے سے رائے اور مشورہ لیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ معاملہ خواہ کتنا بھی اہم ہو اولاد سے مشورہ کر لینا چاہیئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا فیصلہ جبراً بیٹے پر مسلط نہیں کیا اور اگر والدین میں یہ خوبی پیدا ہو جائے کہ وہ بجائے اپنے فیصلے اولاد پر مسلط کرنے کے ان کی رائے لیں ان سے مشورہ کریں اور انہیں اعتماد میں لیں تو بہت حد تک گھریلو ماحول پرامن ہو جائے گا۔ مشورے میں برکت ہے اس برکت سے معاملات درست ہو جائیں گے۔ بالعموم ہمارے معاشرے میں لڑکیوں پر فیصلے مسلط کئے جاتے ہیں اور جہاں وہ نہیں چاہتیں وہاں ان کی جبراً شادی کر دی جاتی ہے یوں ان کی زندگی اجیرن بن جاتی ہے اس نکتہ نظر پر والدین کو غور کرنا چاہیئے۔

(۳) حضرت اسماعیل جیسے صالح بیٹے نے ذبح کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے والد گرامی سے عرض کی کہ جو حکم آپ کو ملا ہے وہ کر ڈالئے جہاں تک میرا معاملہ ہے تو میں صبر سے کام لوں گا اور ساتھ ہی حضرت اسماعیل علیہ السلام نے انشاء اللہ کہا یعنی اپنے معاملے کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے سپرد کر دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر کوئی نیک عمل سرانجام نہیں پاتا اس معاملے میں اولاد کے لئے بھی سبق ہے کہ وہ اپنے والدین کو اپنا خیر خواہ سمجھیں کیونکہ ماں باپ ہمیشہ اولاد کا بھلا چاہتے ہیں انہیں مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتے بظاہر کوئی مشکل کام ہی کیوں نہ ہو اور طبیعت پہ ناگوار ہی کیوں نہ گزرے۔ ماں باپ کی رضا کو فوقیت دینی چاہیئے۔

ع یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ فرزندی

عالم و جاہل برابر نہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَ يَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

آیت کے حوالہ جات

سورت کا نام	الزمر
سورت کا نمبر	۳۹
آیت نمبر	۹

آیت کا ترجمہ

’’بھلا وہ جو رات کی گھڑیوں میں سجدے اور قیام کی حالت میں عبادت کرنے والا ہے، آخرت سے ڈرتا رہتا ہے اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہے، فرما دیجئے کیا وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں اور جو لوگ علم نہیں رکھتے برابر ہو سکتے ہیں؟ بس نصیحت تو عقل مند لوگ ہی قبول کرتے ہیں‘‘۔

نکتہ بیانی

(۱) رات کی نماز (تہجد) کی اہمیت روز روشن کی طرح عیاں ہے اور یہی وہ لمحات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر اپنی شان کے لائق جلوہ فرماتا ہے۔ ان لمحات میں بندے کو حقیقی خلوت نصیب ہوتی ہے وہ اپنے آرام و سکون کو قربان کر کے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو جاتا ہے اور بارگاہ رب العزت میں جتنی زیادہ قربانی دے کر

حاضری دی جائے گی۔اس قدر انسان کا مرتبہ بھی بلند ہوگا یہی وجہ ہے کہ اولیاء نے تہجد کو اپنے اوپر لازم کرر کھا تھا اور آہ سحر گاہی نے ان کو مقام ولایت پر پہنچا دیا۔علامہ اقبال نے اسی حقیقت کو یوں بیان کیا ہے۔

ع عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

حضور اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ دعا کی قبولیت کا کونسا وقت ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''فرض کے بعد اور رات کا آخری پہر''۔

(۲) آیت میں عبادت اور خوف آخرت کو متصل کیا گیا ہے۔خوف آخرت سے مراد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے اور اس وقت کی طرف مائل رہنا اور اس دن کا احساس رکھنا بندگی کی علامت ہے۔

(۳) جب بندے میں خوف خدا جلوہ گر ہوتا ہے تو پھر اسے اور کسی کا خوف دامن گیر نہیں ہوتا۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی پہچان بتائی ہے لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ ''انہیں کوئی خوف نہیں''۔

(۴) خوف خدا کے ساتھ ساتھ بندے کو اپنے رب کی رحمت کا بھی بھروسہ ہوتا ہے وہ اپنی امان کے لئے اور اخروی کامیابی کے لئے اپنے اعمال کی بجائے اللہ تعالیٰ کی رحمت کو مدنظر رکھتا ہے اور یہ خوف ورجا کی کیفیت ایمان کی علامت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونا کفر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مایوس ہونے سے منع کرتے ہوئے فرمایا ہے: لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ''اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوا کرو'' بندے کو چاہئے کہ اعمال کا توسل کرے اور بخشش کے لئے اللہ پر توکل کرے اور اپنے نقوش رجا میں اللہ کے فضل کو بھی شامل کرے۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے واضح کیا کہ جاہل اور نہ جاننے والے اور عالم یعنی جاننے والے برابر نہیں ہوسکتے اور اللہ تعالیٰ نے عالم کی پہچان یہ بتائی ہے کہ وہ اللہ سے ڈرنے والا ہوتا

ہے جیسا کہ فرمایا:

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا

''بے شک اللہ کے بندوں میں سے اہل علم ہی اللہ سے ڈرتے ہیں''۔

جاننے والے اور نہ جاننے والے ایک جیسے نہیں اسی طرح سارے جاننے والے بھی تو ایک جیسے نہیں ہو سکتے' جاننے والے کے اوپر بھی ایک جاننے والا ہے۔

وَفَوْقَ كُلِّ ذِىْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ

''اور ہر جاننے والے کے اوپر بھی ایک جاننے والا ہے''۔

اس سے علم کی فضیلت بھی واضح ہوتی ہے اور علماء کا مقام بھی عیاں ہوتا ہے۔

(٦) اب جاننے والے درحقیقت جاننے والے تب کہلا سکتے ہیں جب وہ آیت میں مذکورہ اوصاف کے حامل بھی ہوں یعنی اللہ کی بارگاہ میں رکوع و سجود بھی کریں۔ آخرت کے دن کا خوف بھی رکھیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے پرامید بھی رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نظام بندگی کا ایک خوبصورت رنگ بیان کر دیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو بھی ظاہر فرما دیا ہے کہ نصیحت کو فقط اہل عقل یعنی صاحب شعور لوگ ہی قبول کرتے ہیں۔ حالات و واقعات و تخلیق کائنات کو دیکھ کر عبرت حاصل کرنا اور پھر اپنی حقیقی منزل و سفر شناسا ہو کر اس کے لئے مطلوبہ جدوجہد کرنا' یہ اہل بصیرت ہی کا کام ہے۔

فتح مبین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ○ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ وَ يُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَ يَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ○

آیات کے حوالہ جات

سورت کا نام	الفتح
سورت کا نمبر	۴۸
آیت نمبر	۱ تا ۲

آیات کا ترجمہ

''بے شک ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو روشن فتح عطا فرمائی تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی امت کی اگلی پچھلی خطائیں معاف فرمادے اور آپ پر اپنی نعمت پوری فرمادے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سیدھے راستے پر قائم رکھے''۔

نکتہ بیانی

(۱) قارئین کرام میں نے یہ ترجمہ اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی اور شیخ الاسلام ڈاکٹر طاہر القادری کے تتبع میں کیا ہے۔ میری ناقص فہم کے موافق یہ ترجمہ اپنی جگہ درست سہی لیکن میں اپنے پروردگار کا ہزار ہا مرتبہ شکر ادا کرتا ہوں کہ آج سے تقریباً دو سال پہلے اس ترجمہ پر غور کیا تو میری سمجھ میں یہ بات نہ آئی اور یہ سوال ذہن میں ابھرا کہ فتح اور گناہوں کی مغفرت کا آخر آپس میں کیا تعلق ہے؟ اگر ایک آدمی سے کہا جائے کہ میں آپ کے لئے روٹی لایا ہوں تا کہ آپ اس کو پئیں اس جملے کا آپس میں کوئی ربط

نہیں بنتا اسی طرح فتح اور گناہوں کی معافی کا کوئی ربط نہیں بنتا۔ گناہوں کی معافی کا تعلق توبہ، استغفار اور اللہ کے فضل سے ہے نہ کہ کسی علاقے کو فتح کرنے سے، میں نے اس پر غور و تدبر کیا تو میری دانست میں جو بات آئی وہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو فتح مبین کی خوشخبری سنائی تا کہ آپ ﷺ کی ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے بعد تمام پریشانیاں دور کر دے جیسے ایک شخص منزل کی طرف تکالیف کا سامنا کرتے ہوئے گامزن ہو اور وہ منزل پر پہنچے تو اس کی ساری تھکاوٹ دور ہو جاتی ہے۔ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب نے مکہ اور مدینہ میں مشکلات کا سامنا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ سے نواز کر تمام تر دکھوں کا مداوا کر دیا۔ ذنب گناہ کو کہتے ہیں اور ذنب صالحین کے لئے وجہ پریشانی بھی ہوتا ہے جیسا کہ حدیث میں گناہ کی بابت فرمایا گیا ہے۔

ماحاك فی صدرك

''یعنی گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے''

اس لئے گناہ اور پریشانی میں ایک نسبت پائی جاتی ہے۔

(۲) امام بیہقی نے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بیان کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ حدیبیہ سے واپس تشریف لائے تو آپ ﷺ کے اصحاب میں سے ایک آدمی نے کہا: بخدا! یہ فتح نہیں، ہمیں بیت اللہ سے روک دیا گیا، ہمارے قربانی کے جانوروں کو روک دیا گیا اور رسول اللہ ﷺ حدیبیہ کے مقام پر ٹھہر گئے۔ چنانچہ جب آپ ﷺ تک اصحاب کی یہ بات پہنچائی گئی کہ یہ فتح نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ بہت برا کلام ہے یہ تو فتح عظیم ہے کیا تم جنگ احد کا دن بھول گئے جبکہ تم اوپر چڑھتے جاتے تھے اور کسی کی جانب مڑ کر نہیں دیکھتے تھے اور میں تمہیں پچھلوں میں بلا رہا تھا۔ کیا تم یوم احزاب کو بھول گئے جبکہ آنکھیں تھک گئیں دل مونہوں کی جانب آنے لگے اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ مسلمانوں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا ہے۔

امام بخاری نے تاریخ میں ابوداؤد' نسائی' ابن جریر' طبرانی اور بیہقی نے دلائل میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ ہم رسول اکرم ﷺ کے ساتھ حدیبیہ سے آئے۔ اسی اثناء میں کہ ہم چل رہے تھے آپ ﷺ پر وحی نازل ہوئی اس نے آپ ﷺ سے پریشانی کو دور کر دیا اور جتنا اللہ نے چاہا آپ کو سکون حاصل ہوا تو آپ ﷺ نے ہمیں خبر دی کہ آپ ﷺ پر یہ سورت (الفتح) نازل ہوئی ہے۔

ان احادیث سے بھی بندہ ناچیز کے موقف کی تائید ہوتی ہے کہ ذنب سے مراد پریشانیاں اور الزامات ہیں جو آپ ﷺ پر ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے بعد لگائے گئے تھے۔

(۳) قارئین محترم! میں پھر اپنے رب تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ جو موقف میرے ذہن میں اس کی طرف سے ڈالا گیا۔ آج دو سال بعد تفسیر درمنثور از جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی قدرے اس موقف کی تائید حاصل ہوئی اور سکون قلب نصیب ہوا۔

ابن منذر نے اس آیت لیغفر لك اللّٰه الآ کے بارے میں حضرت عامر اور ابوجعفر سے یہ قول نقل کیا ہے تا کہ دور فرما دے اللہ تعالیٰ وہ الزام جو آپ ﷺ پر زمانہ جاہلیت میں لگائے گئے اور جو زمانہ اسلام میں لائے گئے۔ امام عبد بن حمید نے حضرت سفیان رضی اللہ عنہ سے بھی یہی قول نقل کیا ہے۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی موقف اپنایا ہے۔

(۴) کسی بھی امتی کے لئے نبی کی طرف ذنب کی نسبت کرنا جائز نہیں۔ جس نبی کے بدن پر مکھی تک ہی نہ بیٹھے وہ مذنب کیسے ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی طرف ذنب کی جو نسبت کی دراصل آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ دعا کی:

''اے اللہ! بے شک میں تجھ سے یہ التجا کرتا ہوں کہ میری شفاعت کو ثابت رکھ' میرے

اہلبیت کو میرے ساتھ ملا دے اور میری تیرے ساتھ ملاقات اس حال میں ہو کہ میرے ذمہ کوئی گناہ نہ ہو"۔ (در منثور)

اس لئے اس آیت میں واضح کیا گیا کہ اگر آپ ﷺ کے زعم میں کوئی گناہ آپ سے سرزد ہوا ہے تو اسے معاف کر دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

(۵) جہاں تک اس ترجمے کا تعلق ہے کہ تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے سبب آپ ﷺ کے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ معاف کر دے۔ پھر ذہن میں یہی سوال پنپتا ہے کہ گناہ اگر آپ ﷺ کی وجہ سے معاف ہونے تھے تو اسے فتح مبین یا فتح مکہ کے ساتھ کیوں مشروط کیا گیا جبکہ آپ ﷺ کا امت کے لئے استغفار کرنا ہی امت کے گناہوں کی معافی کے لئے کافی تھا۔

(۶) جہاں تک ابن عساکر، بیہقی اور ابونعیم کی روایات کا تعلق ہے کہ آپ ﷺ سی کہا گیا: آپ ﷺ اتنی عبادت کیوں کرتے ہیں جبکہ آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں شکرگزار بندہ نہ بنوں۔ یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ کیا حضور ﷺ اس آیت کے نزول سے پہلے گناہوں کی مغفرت کے لئے دعا کرتے اور اس آیت کے بعد نیت میں تغیر رونما ہوا جبکہ حقیقت ہے کہ آپ ﷺ کی عبادت میں مشغولیت اللہ کی محبت و رضا کی بنا پر تھی۔ سورہ مزمل میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے مشقت عبادت کے پیش نظر آپ ﷺ کو آرام کا حکم دیا۔ یہ نہیں فرمایا کہ آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں اس لئے اب عبادت کم کر دیں بلکہ اس کا سبب دن کو آپ کی تبلیغی مصروفیات کو بیان کیا گیا۔
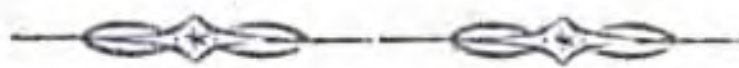
محمد ﷺ و اصحاب محمد ﷺ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ ؕ وَ الَّذِیۡنَ مَعَہٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الۡکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ تَرٰىہُمۡ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰہِ وَ رِضۡوَانًا ۫ سِیۡمَاہُمۡ فِیۡ وُجُوۡہِہِمۡ مِّنۡ اَثَرِ السُّجُوۡدِ ؕ ذٰلِکَ مَثَلُہُمۡ فِی التَّوۡرٰىۃِ ۚۖۛ وَ مَثَلُہُمۡ فِی الۡاِنۡجِیۡلِ ۚ۟ۛ کَزَرۡعٍ اَخۡرَجَ شَطۡـَٔہٗ فَاٰزَرَہٗ فَاسۡتَغۡلَظَ فَاسۡتَوٰی عَلٰی سُوۡقِہٖ یُعۡجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیۡظَ بِہِمُ الۡکُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنۡہُمۡ مَّغۡفِرَۃً وَّ اَجۡرًا عَظِیۡمًا ۝

آیت کے حوالہ جات

سورت کا نام	الفتح
سورت کا نمبر	۴۸
آیت نمبر	۲۹

آیت کا ترجمہ

"محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ ﷺ کے ساتھ ہیں۔ کافروں پر سخت آپس میں نرم دل ہیں۔ آپ ﷺ انہیں کثرت سے رکوع کرتے ہوئے سجود کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ وہ اللہ کے فضل اور اس کی رضا کے طلبگار ہیں۔ ان کی نشانی ان کے چہروں پر سجدوں کا اثر ہے۔ ان کے یہ اوصاف تورات میں (بھی) ہیں۔ انجیل میں (بھی) ہیں

وہ کھیتی کی طرح ہیں جس نے اپنی باریک سی کونپل نکالی پھر اسے طاقتور اور مضبوط کیا۔ پھر وہ موٹی اور دبیز ہوگئی۔ پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی۔ کاشتکاروں کو کیا ہی اچھی لگنے لگی تا کہ ان (صحابہ) کے ذریعے کافروں کے دل جلائے۔ اللہ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے۔ مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے''۔

نکتہ بیانی

(۱) اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کی رسالت کا تعارف کرواتے ہوئے آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی اولیت خصوصیت معہ کے ساتھ بیان کی' امنوا کے ساتھ نہیں کیونکہ ایمان کے دعوے دار تو بہت تھے لیکن اللہ نے معیت مصطفیٰ ﷺ کو اہمیت دی کیونکہ یہی اصل ایمان ہے اور آگے بیان کردہ خصوصیات کے حامل فقط وہی لوگ ہیں جو دل و جان کے ساتھ آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے اصحاب کا ذکر کرتے ہوئے پہلی بات یہ ذکر فرمائی کہ وہ کافروں پر شدید ہیں اور آپس میں رحمدلی کی بات بعد میں کی۔ اس کا مطلب ہے کہ ایمان بالرسالت کا پہلا تقاضا آپ ﷺ کے دشمنوں سے نفرت اور ان پر شدت کرنا ہے۔ آپس میں رحمدلی تب ہوگی جب دشمنوں کے ساتھ نفرت ہوگی۔ یہی دراصل دوقومی نظریہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کو ماننے والے ایک الگ قوم ہیں اور نہ ماننے والے ایک الگ قوم ہیں۔ چنانچہ یہاں خونی رشتے پیچھے رہ جاتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کا رشتہ سرفہرست ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غزوہ بدر میں ایک صحابی نے اپنے ہی کافر باپ کا سر قلم کیا اور دیگر کئی صحابہ نے اپنے عزیز واقارب پر تلواریں چلائیں اور واضح کر دیا کہ ایمان کے مقام پر ان کافروں سے خونی رشتے ہونے کے باوجود ان کی کوئی اہمیت نہیں اور اگر کوئی غیر ہے لیکن رسول ﷺ کا غلام ہے تو وہ اپنا ہے اور اگر کوئی اپنا رشتہ دار ہے نبی کا دشمن ہے تو وہ غیر ہے۔ دشمنان رسول

ﷺ سے نرمی آپس کی نرمی پر اثر انداز ہوتی ہے اور یوں ملت کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا:

ع ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم

رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

اب شومی قسمت کہ نہ تو حلقہ یاراں مضبوط رہا اور نہ ہی بندہ مومن کفار کے لئے فولاد۔

(۳) کفر و ایمان محبت و نفرت کے میان جو وجہ امتیاز ہے وہ جناب رسالت مآب کی ذات ہے اور آپ ﷺ کی تعلیم یہ ہے کہ "اللہ کے لئے محبت کرو اور اللہ کے لئے دشمنی رکھو" لیکن ہم اپنے ذاتیات کی خاطر کسی سے لگاؤ رکھتے ہیں اور ذاتیات کی خاطر عداوت رکھتے ہیں۔ جو ہمارے آباؤ اجداد ماں باپ کے بارے میں چند برے جملے کہہ دے خواہ وہ تہجد گزار ہی کیوں نہ ہو ہمیں اس سے نفرت ہو جاتی ہے اور ہم اسے ملنا پسند نہیں کرتے اور جو حضور پرنور ﷺ کی بابت نازیبا الفاظ لکھے یا کہے تو ہماری غیرت جاگتی نہیں۔ جن لوگوں کا عقیدہ ہے کہ شیطان کا علم حضور ﷺ سے زیادہ ہے (معاذ اللہ) گویا انہوں نے شیطان کو آپ ﷺ کی ذات پر زیادہ درجہ دے دیا کیونکہ قرآن کے مطابق قانون یہ ہے۔

فَوْقَ كُلِّ ذِىْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ

"ہر علم والے کے اوپر بھی علم والا ہے" تو جو زیادہ علم والا ہوا اس کا درجہ بھی زیادہ ہوا ایسے عقائد رکھنے والوں کو ہم کیسے اپنا دوست بنا سکتے ہیں اور ان سے ہم محبت کریں تو ہمیں غور کرنا چاہئے کہ محبت الٰہی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس کے رسول ﷺ کا ادب و احترام اور آپ ﷺ سے محبت کی جائے اگر آپ ﷺ کے ساتھ ہم ماں باپ اولاد دیگر لوگوں اور اپنی جان سے بڑھ کر محبت نہ کریں تو حدیث کے مطابق ہم مومن ہی نہیں ہیں"۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے دوسری خوبی جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں موجود تھی اس کا ذکر فرمایا کہ وہ کثرت سے رکوع و سجود کرتے ہیں یعنی ذوق بندگی کے ساتھ عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رضا کے طالب ہیں، فضل کو یہاں رضا پر فوقیت دی گئی ہے کیونکہ وہی لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا کے متلاشی رہتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے۔

(۶) اللہ تعالیٰ نے ان کی کثرت عبادت کی ظاہری علامت بیان فرمائی کہ ان کی علامت ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے نمایاں ہے۔ یہ علامت کیا ہے اس کے بارے میں درج ذیل روایات واقوال ہیں۔

(i) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے: ''اس سے مراد وہ نشان نہیں جو تم دیکھتے ہو بلکہ اس سے مراد اسلام کی علامت اس کی آب وتاب اس کا حسن و جمال خشوع اور انکساری ہے۔ (طبری)

(ii) اس سے مراد وہ سفیدی ہے جو قیامت کے دن ان کے چہروں کو ڈھانپ لے گی۔ یہ قول بھی حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے۔

(iii) طبرانی کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اس سے مراد وہ نور ہے جو قیامت کے دن ان کے چہروں پر نمایاں ہوگا''۔

(iv) عطیہ العوفی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ان کے چہروں کی جگہ روز قیامت نسبتاً زیادہ سفید اور روشن ہوگی، ا [illegible] ہر طبری میں بیان کیا گیا ہے۔

(v) حضرت مجاہد کا قو[illegible]ہے [illegible] کا نشان نہیں بلکہ خشوع ہے اسے بھی طبری نے نقل کیا ہے۔

(vi) بعض لوگ نماز پڑھتے ہوئے پیشانی کو خوب سجدہ گاہ پر رگڑتے ہیں تا کہ یہ

نشان بن جائے ایسا کرنا ریا کاری ہے اور چہرے کو خراب کرنے کے مترادف ہے حالانکہ بالفرض اس سے مراد ظاہری نشان ہی ہو تو آج کل اکثر مساجد میں دریاں اور قالین بچھے ہوتے ہیں تو ایسا نشان نہیں بن پاتا ہاں اگر بار بار پیشانی کو رگڑا جائے کہ ایسا نشان بن جائے تو یہ ایک ایسی مشقت ہے جس کا نماز کے عمل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہاں اگر کوشش کئے بغیر یہ نشان بن جائے تو وہ ایک الگ معاملہ ہے۔

امام طبرانی نے حمید بن عبدالرحمٰن سے یہ قول نقل کیا ہے کہ میں سائب بن یزید کے پاس تھا کہ اچانک ایک آدمی آیا اس کے چہرے میں سجدوں کا نشان تھا تو حضرت سائب نے فرمایا کہ تحقیق اس نے اپنا یہ چہرہ خراب کر دیا ہے۔ بخدا! یہ وہ نشان نہیں جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کیا ہے میں اسی سال سے اپنے چہرے پر نماز پڑھ رہا ہوں میری آنکھوں کے درمیان سجدوں سے کوئی نشان نہیں بنا۔

(vii) نماز کا مقصود اللہ تعالیٰ کی بندگی وعبادت ہے اس کا اصل خشوع وخضوع ہے۔ الغرض جس آدمی کے چہرے پر محراب ہو تو لازمی نہیں کہ اس کی نماز قبول ہوگئی ہیں اور جس کے چہرے پر یہ ظاہری نشان موجود نہیں۔ اس کی نمازیں قبول نہیں ہوئیں۔ نیز اس نشان ظاہری کے ہونے سے نہ ہونا بہتر ہے کہ اس سے ریا کاری کا امکان ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔

(۷) صحابہ کرام کا ذکر اللہ نے تورات اور انجیل میں بھی فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے ان صحابہ کی تخلیق سے پہلے دوسری امتوں میں ان کی تعریف فرمائی ہے جو ان کی عظمت کی منہ بولتی تصویر ہے۔

(۸) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور آپ ﷺ کے صحابہ کو ایک خوبصورت مثال سے بیان فرمایا ہے کہ صحابہ ایک کھیت کی مانند ہیں وہ کھیت جس نے اولاً تو ایک بیٹھا یعنی کونپل نکالی پھر اس کو تقویت دی تو وہ مضبوط ہو گیا پھر وہ اپنے تنے پر مضبوط ہو گیا۔ اس حال میں کہ وہ بونے والوں کو خوش کر رہا ہے تاکہ کافر اس کھیت کو دیکھ کر جلتے رہیں غیظ

ہیں۔ اللہ نے ان لوگوں سے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے کہ جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے۔

(۹) اسلام کی پہلی کونپل جو حضور ﷺ کے ڈالے گئے بیج ہدایت سے پھوٹی وہ چند لوگ تھے پھر اللہ تعالیٰ نے مزید ایمان والوں کے ذریعے اس کونپل کو تقویت دی جیسے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایمان لانا اس طرح اسلام کا کھیت مضبوط ہو گیا اور اپنے تنے پر کھڑا ہو گیا جو بیج اگانے والوں کو خوش کرتا ہے یعنی اسلام کی مضبوطی آپ ﷺ کے لئے فرحت جاں بنی اور اسلام جتنا مضبوط ہوتا گیا اور امت مسلمہ جتنی مستحکم ہوتی گئی کافروں کے دل اتنے ہی غیظ و غضب میں جلتے گئے اور دوسرے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے صالح عمل کئے یعنی پاکیزہ کھیت کی مانند ہو گئے تو ان کو ثمرے کے بطور مغفرت اور اجر عظیم کی نعمت کا وعدہ تھا وہ رنگ لائے گا۔

(۱۰) قارئین کرام! آیت پر غور کریں تو اصحاب رسول ﷺ صاحبان ایمان کے سفر کے درج ذیل مراحل سامنے آتے ہیں۔

(i) اولاً کافروں پر شدید ہونا

(ii) آپس میں رحمدل ہونا

(iii) رکوع و سجود یعنی نماز قائم کرنا

(iv) اللہ کی رضا اور فضل کا متلاشی ہونا

(v) اتحاد و اتفاق اور مضبوط ہونا

(vi) ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کا بجالانا

(vii) مغفرت اور اجر عظیم کا حقدار بننا

شاہدیت ونصرت مصطفٰی ﷺ اور ذکر الٰہی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًاۙ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ ؕ وَ تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝

آیات کے حوالہ جات

سورت کا نام	الفتح
سورت کا نمبر	۴۸
آیت نمبر	۹،۸

آیات کا ترجمہ

”بے شک ہم نے آپ ﷺ کو (قیامت کے دن گواہی دینے کے لئے اعمال واحوال امت کا) مشاہدہ فرمانے والا اور خوشخبری اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

تاکہ تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ اور ان کی (دین میں) مدد کرو اور ان کی بے حد تعظیم کرو اور اللہ کی صبح و شام تسبیح کرو“۔

نکتہ بیانی

(۱) اللہ تعالیٰ نے آیت میں حضور اکرم ﷺ کی تین شانیں بیان فرمائی ہیں۔

(i) شان شاہدیت

(ii) شان مبشریت

(iii) شان نذارت

شان شاہدیت سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کو امت کے احوال و اعمال پر گواہ بنا دیا۔ گواہ وہ ہوتا ہے جو اپنی نگاہوں سے کسی منظر و معاملے کو دیکھے۔ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ایسی عظیم بصارت عطا کی ہے کہ آپ ﷺ گنبد خضریٰ میں جلوہ گر ہوتے ہوئے امت کے حوال و افعال و اعمال کو دیکھتے ہیں۔ کثرت کے ساتھ روایات میں موجود ہے کہ جب آپ ﷺ کی ولادت ہوئی تو ایک نور ظاہر ہوا اور آپ کی والدہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے شام کے محلات کو دیکھ لیا مکہ سے شام کئی سو کلومیٹر دور ہے لیکن آپ ﷺ کی ولادت کے نور کی برکت سے حجابات اٹھ گئے۔ جب آپ ﷺ کی والدہ کے لئے حجابات اٹھ گئے تو آپ ﷺ کے لئے حجابات کیوں نہیں اٹھ سکتے۔ قرآن کے مطابق اللہ تعالیٰ نے زمین پر کھڑے کھڑے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پوری زمین اور ساتوں آسمانوں کا اللہ نے مشاہدہ کرا دیا۔ یہ اللہ کا انعام ہے جسے چاہے نواز دے۔ حضور اکرم ﷺ نے زمین سے اپنے حوض کوثر کا مشاہدہ کیا اس لئے آپ ﷺ کی شان شاہدیت عین واضح ہے۔

(۲) بعض لوگ کہتے ہیں کہ اللہ نے اس امت کو بھی گواہ بنایا ہے پھر تو ساری امت خاطر و ناظر ہوئی اس میں آپ ﷺ کی کیا تخصیص؟ اس کا جواب یہ ہے کہ گواہی دو قسم کی ہوتی ہے۔

(i) علمی گواہی

(ii) عینی یا حقیقی گواہی

ہماری گواہی علمی گواہی ہوگی۔ جب ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ موجود ہے حالانکہ ہم نے اللہ کا مشاہدہ نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہماری یہ علمی گواہی ہے جس کی بنیاد قرآن و حدیث ہیں۔ لیکن حضور اکرم ﷺ کی گواہی عینی یا حقیقی گواہی ہے اور حقیقی گواہی عینی مشاہدے کی بنا پر دی جاتی ہے۔

(۳) جہاں تک مسئلہ حاضر و ناظر کا تعلق ہے تو اس سے ہرگز یہ مراد نہیں ہے کہ

آپ ﷺ اپنے وجود کے ساتھ ہر جگہ موجود ہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کی نگاہ قبر انور سے بھی میلوں دور کا مشاہدہ کرتی ہے۔علاوہ ازیں آپ ﷺ کو اللہ نے یہ تصرف عطا فرمایا ہے کہ آپ ﷺ روحانی طور پر جسم مثالی کے ساتھ جہاں چاہیں تشریف لے جا سکتے ہیں اور ایسے واقعات کثرت سے منقول ہیں۔حضرت امام جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ نے ۷۲ مرتبہ آپ ﷺ کا حالت بیداری میں دیدار کیا۔ بیک وقت ہزاروں لوگ مر رہے ہیں اور آپ ﷺ سب کی قبروں میں جاتے ہیں۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے مذکورہ شانیں عطا کر کے آپ ﷺ کو اس لئے بھیجا کہ لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائیں۔نیک اعمال پر آپ ﷺ نے خوشخبری سنائی اور برے افعال پر لوگوں کو ڈر سنایا۔

(۵) ایمان لانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے تین چیزوں کا مطالبہ فرمایا: نبی کی مدد کرو، نبی کی تعظیم کرو اور تیسرے صبح شام اللہ کی تسبیح کرو۔اللہ تعالیٰ نے نبی کی مدد کا حکم دیا ہے۔کیا نبی ﷺ کے لئے اللہ کی مدد کافی نہیں؟ تو اس کا جواب ہے کہ ایک مدد اور عمل مخلوق کے ساتھ خاص ہے وہ اللہ تعالیٰ کے شایان شان نہیں مثلاً انسانی شکل میں آ کر تلوار سے جہاد کرنا، مسجد کی تعمیر میں ہاتھوں سے اینٹیں اٹھانا وغیرہ اللہ کے شایان شان نہیں ہے۔وہ مشقت سے پاک ہے۔ہاں مدد ظاہری ہو یا روحانی اسباب کو بروئے کار لانا اللہ کا کام ہے۔

(۶) اللہ نے نصرت وتوقیر نبی کے ذکر کے بعد فرمایا کہ صبح وشام اللہ کی تسبیح کرو۔ معلوم ہوا کہ دین کی مدد اور تعظیم رسول کے بغیر اللہ تعالیٰ کی تسبیح قابل قبول نہیں اور اس پر کوئی اجر وثواب نہیں ہے۔
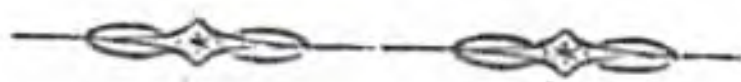
آدابِ بارگاہِ رسالت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ۝

آیات کے حوالہ جات

سورت کا نام	الحجرات
سورت کا نمبر	۴۹
آیت نمبر	۲ تا ۴

آیات کا ترجمہ

''اے ایمان والو! تم اپنی آواز کو نبی ﷺ کی آواز سے بلند مت کیا کرو اور ان کے ساتھ اس طرح بلند آواز سے بات نہ کیا کرو جیسے تم ایک دوسرے سے بلند آواز کے ساتھ بات کرتے ہو (ایسا نہ ہو) کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں شعور ہی نہ ہو۔

بے شک جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنی آوازوں کو پست رکھتے

ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقوے کے لئے چن لیا ہے ان کے لئے بخشش اور اجر عظیم ہے۔ بے شک جو لوگ آپ ﷺ کو حجروں سے باہر آواز دیتے ہیں ان میں سے اکثر عقل سے محروم ہیں''۔

نکتہ بیانی

(۱) اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو تعظیم رسول کے حوالے سے دو باتوں کا حکم دیا ہے۔

(i) نبی ﷺ کی آواز سے اپنی آواز کو بلند نہ کرو۔

(ii) نبی ﷺ کو ایسے لہجے میں مت بلاؤ جیسے ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں احترام رسالت کا کیا مقام و مرتبہ ہے۔ اس کا اندازہ ادب نہ کرنے پر سنائی گئی سزا سے لگایا جا سکتا ہے کیونکہ سزا جتنی زیادہ ہوگی اس سے اندازہ ہو جائے گا کہ جرم کتنا بڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سزا یہ بتائی کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور تمہیں شعور تک نہ ہوگا اور اعمال کے ضائع ہونے کی خبر تک نہیں ہوگی۔ انسان کو اپنے نقصان کا علم ہو جائے تو وہ اس سے نکلنے اور خسارہ پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اگر خسارے کا علم ہی نہ ہو تو وہ اس کا تدارک کیسے کر سکتا ہے۔ اسی طرح گستاخ رسول ﷺ اعمال کرتا رہتا ہے اور اپنے زعم میں یہی سوچتا ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کر رہا ہوں لیکن اسے علم نہیں ہوتا کہ اس کے تمام اعمال ضائع ہو رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ گستاخ رسول کی توبہ قبول نہیں ہوتی اور نیک اعمال بجالانے میں اسکی تمام کوششیں بے نتیجہ ہوتی ہیں۔

(۲) اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ میں تشعرون فعل مضارع کا صیغہ ہے جو فعل حال اور فعل مستقبل پر مشتمل ہے جس کا مطلب ہے تمہیں شعور نہیں اور تمہیں شعور نہیں ہوگا۔ یعنی اگر کوئی بارگاہ رسالت میں بے ادبی کرتا ہے تو اس کے پاس شعور نہیں اور نہ ہی اس کو شعور آئیگا کہ میں نے کیا کیا یا کیا کر رہا ہوں؟

ع عقل ہوتی تو نہ خدا سے لڑائی لیتے
یہ گھٹائیں اسے مقصود بڑھانا تیرا

(۲) اللہ تعالیٰ نے امت کو حکم دیا کہ جس انداز سے ایک دوسرے کو بلاتے ہو اس انداز سے اللہ کے رسول کو نہ بلاؤ۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو احترام سے نہیں بلاتے ہوں گے؟ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ' حضرت عثمان کو احترام سے نہیں بلاتے ہوں گے؟ یقیناً ادب و احترام سے بلاتے ہوں گے مگر جیسے احترام و انداز سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بلائیں اور اسی انداز سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلائیں تو پھر مقام احترام پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و ابوبکر ایک جیسے ہوئے۔ چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا درجہ سب سے بلند ہے لہٰذا سب ایمان والوں کو حکم دے دیا گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسے نہ بلاؤ جیسے ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہاری طرح نہیں ہیں کہ ان کو اپنے بلانے کی طرح بلاؤ لہٰذا جب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلانا ہو تو یہ بات ذہن میں رہے کہ وہ اللہ کے رسول اور اس کے محبوب ہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ادب نہ کرنے پر سارے اعمال ضائع ہونے کی سزا متعین کی ہے جس کا مطلب ہے کہ اعمال ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ادب کو ترجیح حاصل ہے۔ نماز' روزے' حج' زکوٰۃ اور دیگر تمام اعمال سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادب زیادہ اہمیت کا حامل ہے اس لئے صحابہ رضی اللہ عنہم کے لئے حکم تھا کہ حالت نماز میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلائیں تو نماز چھوڑ دیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو جائیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آرام کو نماز پر ترجیح دی اور نماز چھوڑ دی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے آرام کرنا پسند نہ کیا۔

ع تیرا شوق اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب

(۴) رسول اکرم ﷺ کا ادب کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے تین انعامات سے نوازنے کا ذکر فرمایا ہے:

(i) ان کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقوے کے لئے چن لیا ہے۔

(ii) اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لئے مغفرت کی نوید ہے۔

(iii) اللہ تعالیٰ انہیں اجر عظیم کی نعمت سے سرفراز فرمائے گا۔

معلوم ہوا کہ حقیقی متقی، مغفرت اور اجر عظیم کا حقدار وہی ہے جو بارگاہ رسالت مآب ﷺ کا ادب واحترام کرتا ہے۔

(۵) آپ ﷺ گھر میں آرام فرماتے۔ کچھ لوگ آپ ﷺ سے ملنے کے لئے آئے اور دروازے سے باہر کھڑے ہو کر آپ ﷺ کو اونچے لہجے میں آوازیں دینے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فعل پر ان کے بارے میں فرمایا کہ ان میں سے اکثر عقل نہیں رکھتے یعنی جو مقام رسالت کو نہیں جانتا اور آداب رسالت کے تقاضے پورے نہیں کرتا وہ خواہ جتنا پڑھا لکھا ہو اور معاشرے میں اسے عقلمند اور باشعور سمجھا جاتا ہو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عقل سے محروم ہے اور صاحب عقل وہ ہے جس نے مقام نبوت کو پہچان لیا ہو۔ ابوجہل اپنے حلقے میں ابوالحکمت گردانا جاتا تھا لیکن مقام نبوت کو نہ پہچاننے کی بنا پر وہی جہالت کا باپ کہلایا۔

آواز لگانے والے اکثر تو بے عقل لوگ تھے مگر کچھ لوگ اپنی سادگی کی بنا پر ان میں پھنسے کھڑے تھے جس طرح اب بھی اپنی سادہ لوحی کی وجہ سے کچھ صحیح العقیدہ لوگ بدعقیدہ لوگوں کے شکار میں آجاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان آواز لگانے والوں کو معاف کر دیا کیونکہ وہ رحمۃ للعالمین کے دروازے پہ کھڑے تھے۔

صلح کا طریق کار

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَاِنۡ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اقۡتَتَلُوۡا فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَہُمَا ۚ فَاِنۡۢ بَغَتۡ اِحۡدٰىہُمَا عَلَی الۡاُخۡرٰی فَقَاتِلُوا الَّتِیۡ تَبۡغِیۡ حَتّٰی تَفِیۡٓءَ اِلٰۤی اَمۡرِ اللّٰہِ ۚ فَاِنۡ فَآءَتۡ فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَہُمَا بِالۡعَدۡلِ وَاَقۡسِطُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُقۡسِطِیۡنَ۝

آیت کے حوالہ جات

سورت کا نام	الحجرات
سورت کا نمبر	۴۹
آیت نمبر	۹

آیت کا ترجمہ

''اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں جنگ کریں تو ان کے درمیان صلح کروا دیا کرو۔ پھر اگر ان میں سے ایک (گروہ) دوسرے پر زیادتی اور سرکشی کرے تو اس (گروہ) سے لڑائی کرو جو زیادتی کا مرتکب ہو رہا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے پھر اگر وہ (گروہ) رجوع کر لے تو ان دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف سے کام لو۔ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو بہت پسند فرماتا ہے''۔

نکتہ بیانی

(۱) انسان اپنے معاشرے میں مل جل کر رہنے کا محتاج ہے۔ وہ تن تنہا گزر بسر

نہیں کر سکتا۔ معاشرے میں بسنے والے افراد میں لڑائی جھگڑا ہو سکتا ہے۔ مسلمانوں میں کسی غلط فہمی کی بنا پر لڑائی ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ مسلمانوں کے مابین صلح کرا دیں۔ ظاہر ہے کہ تنازع جب تک ختم نہیں ہوگا تب تک معاشرے میں امن ممکن نہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ جب مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان دونوں کے درمیان صلح کرا دیں تا کہ فساد ختم ہو جائے اسلام میں صلح کی اتنی اہمیت ہے کہ اگر اس کے لئے جھوٹ بولنا پڑے تو جائز ہے۔ ہمارے معاشرے کا یہ حال ہے کہ ہم لوگ بجائے صلح کروانے کے غیظ و غضب کی فضا پیدا کرتے ہیں جس سے معاملہ اور زیادہ الجھاؤ کا شکار ہو جاتا ہے اور پھر تماشائی بن کر اس بڑھتے ہوئے فتنے کو دیکھتے ہیں۔ یہ امر باعث تشویش ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ جو گروہ زیادتی اور سرکشی کرے اس سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم یعنی صلح کی طرف مائل ہو جائے اس مقصد کے لئے سرکشی کرنیوالے گروہ کا بائیکاٹ بھی کیا جا سکتا ہے تا کہ اسے اپنی غلطی کا احساس ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں مظلوم جس کے ساتھ زیادتی کی گئی ہے اس کا ساتھ دینے کا حکم دیا ہے چونکہ ظالم اکثر طاقت ور ہوتا ہے اس لئے بجائے مظلوم کا ساتھ دینے کے لوگ ظالم کے ساتھ ہو جاتے ہیں اور مظلوم پر دباؤ ڈالا جاتا ہے کہ وہ صلح کرے اور اسے دھمکیاں بھی دی جاتی ہیں۔ اگر معاشرے کے افراد مظلوم کے دست و پا بن جائیں تو ظالم کو ظلم کا احساس ہو سکتا ہے۔

(۴) صلح میں اس بات کو مد نظر رکھنا چاہیئے کہ جس کا جتنا نقصان ہوا ہے زیادتی کرنیوالا اس کا ازالہ بھی کرے تب صلح کروائی جائے۔ یہ الگ بات ہے کہ جس کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے وہ اپنی مرضی سے معاف کر دے۔

(۵) اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ صلح کروانے والے عدل و انصاف سے کام لیں۔ حق بات کہیں اور غیر جانبدارانہ رویہ اختیار کریں۔ اللہ کی رضا و حکم کو پیش نظر رکھیں۔

اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

آیت کے حوالہ جات

سورت کا نام	الحشر
سورت کا نمبر	۵۹
آیت نمبر	۷

آیت کا ترجمہ

''اور جو کچھ رسول تمہیں عطا فرمائیں سو وہ لے لو اور جس سے تمہیں منع فرمائیں سو (اس سے) رک جایا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے''۔

نکتہ بیانی

(ا) اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو دو امور کا حکم دیا ہے۔

(i) جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیں اسے لے لو۔

(ii) جس چیز اور کام سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منع فرمائیں اس سے رک جاؤ۔

کچھ احکامات ایسے بھی ہیں جن کے کرنے کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم نہیں دیا اور کچھ ایسے ہیں جن سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع نہیں فرمایا۔ ان امور و معاملات کو دیکھا جائے گا کہ اگر وہ قومی و معاشرتی و دینی مفاد میں ہیں تو وہ اگرچہ سنت نہیں ہوں گے لیکن جائز

ہوں گے یعنی ان کے نتائج سے ان کے اچھے یا برے ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ جو اچھا طریقہ رائج کرے تو اسے بھی اور جتنے لوگ اس پر عمل کریں گے وہ ثواب بھی اسے ملے گا اور اگر کوئی برا طریقہ رائج کرے گا تو اسے اس کا گناہ بھی ملے گا اور جس قدر لوگ اس پر عمل کریں گے ان کا گناہ بھی اسے ملے گا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں اچھے طریقے کو رائج کرنے سے مراد سنت کا احیا ہے لیکن میں ان سے سوال کرتا ہوں کہ پھر کونسی سنت معاذ اللہ بری ہے جس کے کرنے سے گناہ سرزد ہوتا ہو؟ لہٰذا یہاں نئے طریقے کی بات ہو رہی ہے سنت کے احیا کی نہیں۔

اچھے طریقوں میں جیسے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کتاب لکھنا حالانکہ صحابہ نے سیرت نبوی پر کوئی کتاب نہیں لکھی۔ اسی طرح خلفائے راشدین کے فضائل اہلبیت و امہات المومنین اور دیگر صحابہ کے فضائل پر کتب بعد میں لکھی گئی ہیں اور یہ حالات کا تقاضا تھا کسی صحابی نے سیرت النبی کانفرنس یا سیمینار نہیں کیا۔ کسی صحابی نے مسجد نبوی میں باقاعدہ محفل قرات یا مقابلہ حسن قرات نہیں کروایا کسی صحابی نے کوئی ریلی نہیں نکالی، کسی صحابی نے حج، عمرہ، روزے، زکوٰۃ اور نماز کے مسائل پر کوئی کتاب تصنیف نہیں کی لیکن اس کے باوجود یہ اچھے کام ہیں کیونکہ ان کے نتائج اچھے ہیں۔ اسی طرح چالیسواں قل شریف اچھے افعال ہیں اور کار ثواب ہیں جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم غیب عطا من اللہ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نورانیت پر تنقیدی بحث کرنا یہ قبیح افعال ہیں اس لئے کہ صحابہ نے ایسا طرز عمل نہیں اپنایا۔ یہ بدعات بعد کی ہیں۔ کعبے کے غلاف پر سونے کی تاروں سے قرآنی آیات لکھنا یہ بھی بدعت ہے مگر یہ بدعت حسنہ ہے کیونکہ اس سے کعبے کی تعظیم مقصود ہے۔

منافق جھوٹے ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝

آیت کے حوالہ جات

سورت کا نام	المنٰفقون
سورت کا نمبر	۶۳
آیت نمبر	۱

آیت کا ترجمہ

"جب منافق آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم یقیناً اللہ کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم ہیں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم بلاشبہ اس کے رسول ہیں لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ منافق ضرور جھوٹے ہیں"۔

نکتہ بیانی

(۱) منافق کی درج ذیل دو اقسام ہیں۔

(i) منافق عملی (ii) منافق اعتقادی

آیت میں اعتقادی منافقین کی بات کی گئی ہے جو بظاہر تو کلمہ پڑھتے ہیں مگر دل میں حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم اور مومنین کے ساتھ بغض رکھتے تھے۔

(۲) منافق بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر کہنے لگے کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ

ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، منافقین کا یہ قول ظاہری طور پر تو مبنی بر صداقت تھا لیکن واقعتاً آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ واقعہ کے مطابق جو بات کی جائے وہ سچ کہلاتی ہے اور جو بات حقیقت کیخلاف ہو اسے جھوٹ کہتے ہیں۔ اگر منافقین بظاہر سچ بول رہے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ جانتا ہے کہ آپ ﷺ یقیناً اس کے رسول ﷺ ہیں لیکن ساتھ یہ بھی فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ منافق جھوٹے ہیں۔

(۳) اس سے ہم یہ نتیجہ حاصل کرتے ہیں کہ سچائی دو طرح کی ہے۔

(i) ظاہری یا زبانی سچائی

(ii) باطنی یا قلبی سچائی

جو سچائی ظاہری و زبانی ہو اور دل اسے سچا نہ جانے تو وہ سچائی جھوٹ اور منافقت کے زمرے میں آتی ہے۔

(۴) سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کفار و مشرکین ایسا طرز عمل اپنا کر منافقت کا لبادہ کیوں اوڑھ لیتے تھے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ چونکہ اتنی ہمت و جرأت نہیں رکھتے تھے کہ کھلے عام مسلمانوں سے لڑیں اور اپنے مذموم مقاصد حاصل کریں اس لئے وہ دوغلی پالیسی اپناتے مسلمانوں سے ملتے تو کہتے ہم ایمان لائے ہیں جبکہ اپنے شیطانوں سے ملتے تو کہتے ہم تو تمہارے ساتھ ہیں ہم تو مسلمانوں سے محض مذاق کرتے ہیں۔ اللہ کے ہاں منافقت گھناؤنا جرم ہے اسلئے اللہ نے منافقین کے لئے سب سے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

(۵) دراصل منافقت جو کہ شہر مدینہ میں پھلی پھولی، وہ مسلمانوں اور دین اسلام کی طاقت کی وجہ سے کیونکہ کفار میدان عمل میں آ کر مسلمانوں کا مقابلہ کرنے سے قاصر تھے اس لئے اپنے مقاصد کے حصول کے لئے درمیانہ راستہ اختیار کرتے۔ وہ مسلمانوں میں مل جل جاتے، نمازیں پڑھتے، روزے رکھتے۔ دیگر نیک کاموں میں بھی شریک ہوتے تاکہ مسلمان ہمیں مسلمان سمجھیں اور اندر اندر سے مسلمانوں میں فتنہ ڈالنے کی کوششیں کرتے۔ کتنے ہی اچھے نام والا منافقوں کا سردار تھا یعنی عبداللہ ابن ابی۔

معاون ومددگار

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِنۡ تَتُوۡبَاۤ اِلَى اللّٰهِ فَقَدۡ صَغَتۡ قُلُوۡبُكُمَا ۚ وَاِنۡ تَظٰهَرَا عَلَيۡهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوۡلٰٮهُ وَجِبۡرِيۡلُ وَصَالِحُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۚ وَالۡمَلٰٓـئِكَةُ بَعۡدَ ذٰلِكَ ظَهِيۡرٌ ۝

آیت کے حوالہ جات

سورت کا نام	التحریم
سورت کا نمبر	٦٦
آیت نمبر	۴

آیت کا ترجمہ

''اگر تم دونوں اللہ کے حضور توبہ کرو اور تمہارے دل (بھی توبہ کی طرف) مائل ہو چکے ہوں اور اگر تم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلے میں ایکا کر لیا تو (جان لو) اللہ آپ کا مددگار ہے۔ جبریل اور نیک مومنین بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مددگار ہیں اور ان کے علاوہ سارے فرشتے بھی مدد کرنیوالے ہیں''۔

نکتہ بیانی

(۱) یہ فرمان حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہ کو ہے۔ (بخاری، مسلم)

(۲) اپنے بندوں کو توبہ کی پیشکش اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر رحمت و فضل کی علامت ہے۔

(۳) توبہ کے لئے لازمی ہے کہ نہ صرف زبان سے توبہ کی جائے بلکہ دل بھی توبہ کی طرف مائل ہو۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے دونوں ازواج مطہرات سے فرمایا کہ اگر تم نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ مقابلے کی ٹھان لی ہے تو سن لو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کا مددگار ہے۔ جبریل علیہ السلام اور نیک مومنین بھی آپ ﷺ کے مددگار ہیں اور ان کے علاوہ تمام فرشتے بھی آپ ﷺ کے مددگار ہیں۔ یعنی رسول خدا بے یار و مددگار نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر طرح کی مدد آپ ﷺ کو حاصل ہے۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے لئے چار قسم پر مبنی مدد کا ذکر فرمایا ہے۔
(i) اللہ کی مدد (ii) جبریل علیہ السلام کی مدد (iii) نیک مومنین کی مدد (iv) تمام فرشتوں کی مدد

(۶) سوال یہ ہے کہ کیا اللہ کی مدد نبی ﷺ کے لئے کافی نہیں کہ جبریل علیہ السلام، نیک مومنین اور تمام ملائکہ کی مدد بھی بیان کی گئی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد کے لئے متعین کیا جائے بظاہر تو وہ مددگار ہوتا ہے لیکن درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی مددگار ہوتا ہے اور بالواسطہ وہ مدد بھی اللہ تعالیٰ ہی کی مدد ہوتی ہے۔

(۷) نیک مومنین سے مراد مختلف لئے گئے ہیں۔ ابن عساکر نے اس سے مراد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کئے ہیں۔ ابن عساکر ہی نے دوسری روایت میں صالح المومنین سے مراد انبیاء علیہم السلام لئے ہیں۔

(۸) آیت اس بات کی دلیل ہے کہ غیر اللہ سے مدد مانگنا یا غیر اللہ کو غیر مستقل سمجھ کر اس سے مدد مانگنا جائز ہے ہرگز شرک نہیں ہے ہاں حقیقی مستعان اللہ ہی کی ذات کو سمجھا جائے گا۔

(۹) اللہ تعالیٰ نے آیت میں مطلقاً مدد کا ذکر فرمایا ہے۔ لہٰذا اس میں مافوق الاسباب اور ماتحت الاسباب ہر قسم کی مدد شامل ہے۔

(۱۰) اللہ تعالیٰ نے مومنین مددگار کے لئے صالح کی قید لگائی ہے جبکہ ماتحت الاسباب مدد گنہگا مومن بھی کر سکتے ہیں کیونکہ وہ مدد عام ہے حتیٰ کہ ماتحت الاسباب مدد کافر سے بھی لی جا سکتی ہے۔ معلوم ہوا کہ صالح مومنین کی مدد سے ہر قسم کی مدد مراد ہے خواہ وہ ماتحت الاسباب ہو یا مافوق الاسباب ہو۔

(۱۱) صالح المومنین سے مراد انبیاء علیہم السلام بھی لئے گئے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں تمام انبیاء علیہم السلام پردہ فرما چکے تھے لہٰذا یہاں ان کی روحانی مدد مراد ہے اور یہ مدد مافوق الاسباب امور کو بھی شامل ہے۔ نیز ماتحت الاسباب اور مافوق الاسباب مدد کی اصطلاحات کہیں سے ثابت نہیں ہیں۔ یہ خود ساختہ اقسام ہیں۔ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ مدد مافوق الاسباب یا ماتحت الاسباب امور میں ہو حقیقی مددگار اللہ تعالیٰ ہی ہے کیونکہ اسباب بھی تو وہی مہیا فرماتا ہے۔

اقتدار وقدرت ربانی

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَبٰرَكَ الَّذِىْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ز وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرُ ن الَّذِىْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً ط وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۝ الَّذِىْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ط مَا تَرٰى فِىْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ط فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۝ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّ هُوَ حَسِيْرٌ ۝ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَ جَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ۝

آیات کے حوالہ جات

سورت کا نام	الملک
سورت کا نمبر	٦٧
آیت نمبر	ا تا ۵

آیات کا ترجمہ

''منزہ و برتر ہے وہ (ذات) جس کے قبضہ میں (ساری) بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تا کہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے اور وہی عزت والا اور بہت بخشنے والا ہے جس نے اوپر نیچے سات آسمان بنائے۔ تمہیں رحمٰن کی تخلیق میں کوئی خلل نظر نہیں آئے گا۔ ذرا پھر نگاہ اٹھا کر دیکھ کیا تجھے

کوئی رخنہ دکھائی دیتا ہے پھر بار بار نگاہ ڈال لوٹ آئے گی تیری طرف (تیری) نگاہ ناکام ہوکر اس حال میں کہ وہ تھکی ماندی ہوگی اور بے شک ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے سجایا اور انہیں شیطانوں کو مار بھگا دینے کا ذریعہ بنا دیا اور ہم نے ان کے لئے دہکتی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے"۔

نکتہ بیانی

(۱) ساری کائنات کا حقیقی بادشاہ اور مالک اللہ تعالیٰ ہے اور مالک کی مرضی ہوتی ہے جسے جتنا چاہے عطا کر دے اور جس سے چاہے چھین لے جیسا کہ قرآن نے اس بات کو واضح کیا ہے کہ اے اللہ تو ملک کا مالک ہے جسے چاہے ملک دے دے اور جس سے چاہے ملک چھین لے۔ یہ بات مدنظر رہنی چاہئے کہ اللہ اگر جس کو ملک دے دے تب بھی اس کا حقیقی مالک اللہ ہی ہوتا ہے۔ ملکیت کی دو اقسام ہیں۔ ملکیت حقیقی اور ملکیت اضافی یا عطائی۔ کوئی اگر یہ کہے کہ یہ ۵۰۰ کنال زاہد کی ہے۔ یہ ہزار کنال طیب کی ہے تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ وہ زمین اللہ کی ملکیت سے نکل گئی ہے کیونکہ جو کچھ زمین و آسمان میں ہے سب اللہ کا ہے لہٰذا بندوں کی ملکیت حقیقی نہیں بلکہ رب کی عطا سے ہے۔ اگر کوئی کہتا ہے کہ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم مالک دو جہاں ہیں تو اس سے مراد ملکیت حقیقی نہیں ہوتی بلکہ وہ تصرف مراد ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کو عطا فرمایا۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے ڈوبتے سورج کو واپس کیا۔ اپنی انگلی کے اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ یہ سب آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کو اللہ تعالیٰ ہی کی عطا سے حاصل ہوا اور وہ اس سب پر قادر ہے۔

(۲) موت اور زندگی دونوں اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ آیت کی ترتیب بتاتی ہے کہ اللہ نے موت کو پہلے اور زندگی کو بعد میں تخلیق کیا۔ مخلوق فانی ہے اور موت کو بالآخر دائمی فنا ملے گی جبکہ زندگی کو دائمی فنا نہیں۔ لوگ جب موت کے بعد دوبارہ اٹھیں گے تو اس کے بعد موت نہیں ہوگی۔ دراصل موت عین فنائے زندگی نہیں۔ موت اس عرصہ کا نام ہے

جس میں مرنے والا دوبارہ اٹھنے تک رہتا ہے۔موت زندگی کو ختم کرنے کا نام نہیں بلکہ زندگی کو دوسرے عالم میں منتقل کرنے کی ایک کیفیت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مردے سنتے ہیں، محسوس بھی کرتے ہیں۔اب اگر ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ روح کے نکل جانے کے بعد احساسات کیسے باقی رہ سکتے ہیں تو ذہن نشین کر لیجئے کہ پتھروں میں روح نہیں لیکن وہ اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کو پتھر پہنچانتے اور سلام کرتے۔ نیز حجر اسود چومنے والوں کو روز قیامت پہچانے گا۔استن حنانہ خشک لکڑی کا ایک تنا تھا۔آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم اس کے ساتھ ٹیک لگا کر خطاب فرماتے جب اسے ہٹایا گیا تو وہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے ہجر میں رویا اور اس کے رونے کی آواز صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی سنی۔اہل دانش کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔

(۳) زندگی اور موت بظاہر ایک دوسرے کی ضد ہیں لیکن دونوں کی تخلیق کا مقصد ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ کون ہے جو احسن عمل کرتا ہے موت سے قبل زندگی ایک امتحان ہے اور دنیا امتحان گاہ ہے اور موت کے بعد کی زندگی کے معیار کا انحصار اعمال کی حیثیت و کیفیت کے ساتھ منسلک ہے۔دنیا میں ہم کسی شخص کے بارے میں عنداللہ اس کے مقام ومرتبے کے بارے میں صحیح اندازہ نہیں لگا سکتے۔آخرت میں عیاں ہو جائے گا کہ کوئی اللہ تعالیٰ کے نزدیک کتنا مکرم ہے۔اللہ تعالیٰ نے زندگی اور موت کے مقصد کے ذکر کے بعد مخلوق پر اس حقیقت کو واضح کیا کہ وہ بہت زیادہ بخشنے والا ہے اس میں بندوں کے لئے اشارتاً یہ پیغام موجود ہے کہ اگر نفس کی آلائش کی بدولت تم سے احسن عمل نہیں ہو پایا تو پھر بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دروازے تمہارے لئے کھلے ہیں اس لئے اپنے رب سے مایوس نہ ہونا توبہ کے طرق سے تمہیں قرب ورضائے ربانی مل سکتی ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی تخلیق کردہ کائنات کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اسی نے اوپر نیچے آسمان بنائے اور تم جتنا بھی غور کرو تمہیں رحمان کی تخلیق میں کوئی خلل یا عیب نظر نہیں آئیگا۔اللہ نے ہر چیز کو اندازے سے بنایا کچھ درخت بڑے تو کچھ

چھوٹے کہیں سے پہاڑ زیادہ بلند اور کہیں سے کم' ستارے کوئی کم روشن تو کوئی زیادہ روشن۔ یہ سارا کائنات کا حسن ہے اور یہ رحمٰن کی کاریگری ہے۔ دیکھنے والوں سے بار بار مطالبہ کیا جارہا ہے کہ تم غور کرو۔ پھر غور کرو تمہیں نگاہ اس غور و تدبر سے تھک کر واپس لوٹ آئے گی لیکن تم اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں کوئی عیب نہ ڈھونڈ پاؤ گے۔ جب کائنات میں کوئی عیب نہیں تو وہ ذات جس کی خاطر اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات بنائی ہے اس میں عیب کیسے ہوسکتا ہے؟ اس لئے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے تاجدار انبیاء کے بارے میں کہا:

خلقت مبرا من کل عیب

"آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر عیب سے پاک پیدا کئے گئے"

(۵) اللہ تعالیٰ نے پانچویں آیت میں آسمان دنیا کو ستاروں سے سجانے کا ذکر فرمایا اور یہی ستارے شیطان کو بھگا دیتے ہیں ہم چونکہ صرف آسمان دنیا کو دیکھ سکتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے آسمان دنیا کو سجایا کیونکہ زینت کی طرف مائل ہونا انسانی فطرت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ستاروں یعنی چمکتے چراغوں کے دو مقاصد بیان فرمائے ہیں۔

(i) سجاوٹ اور زینت

(ii) شیاطین کو بھگانا

معلوم ہوا قمقموں اور روشنیوں کو قرآن نے بھی سامان زینت قرار دیا ہے لیکن شیطانوں کو زینت اور سجاوٹ سے چڑ ہوتی ہے اور شیطانوں اور ابلیس صفت انسانوں کے لئے سخت عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

آل یار محمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ پر فضلِ الٰہی

ترگ شریف کی زمین کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہاں کثیر تعداد میں ہاشمی خاندان آباد ہوا اور دینی خدمت کا فریضہ اپنے ذمہ لیا۔ اگر چہ تاریخی شواہد کے مطابق پہلا قریش خاندان کا فرد جس نے ترگ میں دینی خدمت کی بنیاد رکھی وہ حضرت میاں حسین شاہ کی شخصیت تھی۔ اس کے بعد جرأت مند خاندان عباسیہ ریاست بہاولپور سے چند افراد نے ملتان مظفر گڑھ اور میانوالی کا رخ اختیار کیا۔ انہیں میں سے ایک شخصیت حضرت میاں بہادر شاہ ترگ شریف میں مقیم ہوئے۔ عمر خان نے رہائش کے لئے بطور ہدیہ زمین آپ کے حوالے کی۔ میاں بہادر شاہ کی اولاد میں گل محمد شاہ کے ہاں یار محمد شاہ کی ولادت ہوئی۔ یار محمد شاہ کی قسمت کو چار چاند لگے جب ان کو اللہ تعالیٰ نے امام موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے نیک طینت بیوی عطا کی۔ یوں حاجی حضرت یار محمد شاہ کی اولاد ہاشمی وکاظمی خون کا فیضان لئے دنیا میں جلوہ گر ہوئی اور یار محمد شاہ کا گھرانہ سب سے بڑا ترگ شریف کا علمی گھرانہ ثابت ہوا۔ آپ کی اولاد میں علم وعمل اور خودداری یکجا ہو گئے۔

آپ کے پانچوں بیٹے عالم دین ہوئے۔ ان پانچ میں سے تین حافظ قرآن ہوئے۔ پھر یہ سلسلہ چلتا رہا۔ اب اس وقت تک آپ کی اولاد میں آپ کے بیٹوں کے علاوہ ترگ کے ہاشمی گھرانوں میں سے سب سے زیادہ علماء اور حفاظ موجود ہیں۔ آپ کی

اولاد کی سب سے بڑی خوبی سادگی، خودداری اور درویشی ہے۔ اللہ نے آپ کے بیٹوں کو غرور و تکبر اور ریاکاری سے محفوظ رکھا۔ ہاشمی ہونے کے ناطے لوگوں سے نذرانے جمع کرنے کی بجائے محنت و مشقت کا راستہ اپنایا۔ اگر ترگ شریف کے گھرانوں پر نظر ڈالیں تو جو اعزازات یار محمد شاہ کی آل کو عطا ہوئے کسی اور گھرانے کو نصیب نہیں۔ شیخ الحدیث ان کی اولاد میں جید عالم دین ان کی اولاد میں بہترین حافظ ان کی اولاد میں بہترین قاری ان کی اولاد میں بہترین نعت خوان ان کی اولاد میں اور بہترین مقرران کی اولاد میں موجود ہیں۔

علاوہ ازیں دوسرے پہلو کو دیکھا جائے تو جرأت مند اور شیر دل جوان بھی یار محمد شاہ کی اولاد میں ہے اور وہ محمد اسماعیل شاہ عرف ککا شاہ ہے۔ جب بھی قریش خاندان کا کوئی مسئلہ بنا تو میدان میں اترنے کے لئے ککا شاہ کو ہی آواز دی گئی اور ترگ کی سرزمین گواہ ہے کہ اس شیر دل جوان نے برستی گولیوں کا سامنا کیا مگر پیچھے نہ ہٹا۔ شاید ہاشمیوں کا یہ واحد شیر ہے جس کی دلیری کا اعتراف میانوالی کے جنگجو پٹھانوں نے بھی کیا ہے۔ ذہانت کے میدان میں بھی آل یار محمد شاہ کا نام سرفہرست ہے اور بی اے کے امتحان میں پورے پنجاب میں پہلی پوزیشن حاصل کر کے محمد الیاس شاہ پورے صوبے کے ۱۹۹۷ء میں ذہین ترین شخص قرار پائے۔

راقم بھی بحمد اللہ مختلف صلاحیتوں سے نوازا گیا ہے۔

اور راقم خاندان کا سب سے کم عمر شاعر، سب سے کم عمر مصنف، سب سے کم عمر مقرر قرار پایا ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کا کرم اور حضرت عباس اور حضرت عبداللہ ابن عباس میرے والدین اور میرے پیرو مرشد حاجی حافظ مظہر قیوم رحمۃ اللہ علیہ کا فیضان ہے اور منہاج القرآن سے راقم نے بہت کچھ سیکھا۔ فن نقابت اور نکتہ بیانی پر تاریخ عالم میں پہلی کتاب لکھنے کا شرف مجھے حاصل ہوا۔

هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ

؏ رنگ گل نہ ہو شادابی گلستاں نہ ہو
مجھ خطاکار پے الٰہی گر تو مہرباں نہ ہو

؏

ایامِ علالت میں بھی ہارون چھوٹے مجھ سے نہ قرطاس وقلم
صلاحیت اس میں کچھ بھی نہیں میری بس میرے مولا کا کرم

تمت

۱۵اپریل۲۰۱۱ء

موبائل:0333-4239057

محمد ہارون شاہ ہاشمی کی شاہکار تصانیف

۱۔ رہنمائے مقرر

۲۔ اصول خطابت

۳۔ زر نقابت

۴۔ جان نقابت

۵۔ جام رحیق عشق

۶۔ گفتار کی کرنیں

۷۔ نکتہ بیانی من آیات قرآنی

۸۔ ہارون شاہ کی تقریریں (غیر مطبوعہ)

۹۔ سنی گائیڈ (غیر مطبوعہ)

۱۰۔ گائیڈ علوم درس نظامی

۱۱۔ راگ کی شرعی حیثیت

۱۲۔ بے وقوف لوگ

۱۳۔ داڑھی کی شرعی حیثیت

۱۴۔ مختصر میلاد نامہ

والد گرامی قدر حضرت مولانا ڈاکٹر رضا محمد شاہ ہاشمی کی تصانیف

۱۔ تحفۃ الرضائی حب مصطفےٰ ﷺ

۲۔ تحفۃ الرضائی میلاد مصطفےٰ ﷺ

۳۔ تحفۃ الرضائی احوال البرزخ والارواح